جلد ۱۸ . و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین عدد ۱۲

ماہنامہ میثاق لاہور

دسمبر ۱۹۷۱ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر اعزازی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم۔بی۔بی۔ایس (پنجاب) ایم۔اے اسلامیات (کراچی)

* * * * *

—یکے از مطبوعات—

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ۔ ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

قیمت فی پرچہ : پچھتر پیسے

خطوط ونکات

(۱)

(بنام ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

"مولانا محترم کی علالت اور تفسیر کا کام بند ہونے سے افسوس ہوا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد صحت اور توانائی عطا فرمائے تاکہ وہ اس مقدس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ آمین"

مولانا عبدالغفار حسن

استاذ الحدیث، مدینہ یونیورسٹی۔ مدینہ منورہ

(۲)

(بنام مولانا امین احسن اصلاحی)

"مخدومی وکرمی ومحترمی، السلام علیکم ورحمۃ،

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اعتکاف کی سعادت نصیب فرمائی اور اس کی بے شمار نعمتوں سے یہ نعمت بھی ملی کہ "تدبر قرآن" کو بڑے سکون اور غور وفکر سے پڑھنے کا موقعہ ملا۔ آپ کو خط لکھنے کا ارادہ تو عرصہ سے تھا، لیکن اس کا موزوں وقت یہی نکلا۔

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی اس تفسیر کے لکھنے کے وقت آپ نے جو دعا باری تعالیٰ کی جناب میں صدق دل سے کی تھی، وہ مقبول ہوئی ہے۔ واقعی یہ بیرونی لوث ولگاؤ سے پاک تفسیر ہے، جو کچھ مفسر نے سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ حقیقتاً "دل کی آواز" معلوم ہوتی ہے، کہیں بھی بات بنانے کی کوشش معلوم نہیں ہوتی۔ اور زبان اتنی دلنشین کہ تفسیر جیسی کتاب میں بمشکل اس کی نظیر مل سکتی ہے۔ جا بجا ایسے جملے ملتے ہیں کہ طبیعت ان کا لطف لیتی رہتی ہے، جیسے "قرآن کے اندر معتکف ہونا پڑے گا"۔ "ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں"۔ غرض اپنے رنگ میں منفرد تفسیر ہے۔ میں اس مرتبہ سبقاً سبقاً اس کا مطالعہ کر رہا ہوں اور نوٹ لیتا جاتا ہوں، دریافت طلب امور کو بھی انشاء اللہ زبانی آپ سے پوچھوں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا موقع جلد لائے۔ ایک تو میں محض اردو دان ہوں اور وہ بھی کم سواد، پھر بھی شعری حس موجود ہے، اس لیے پوچھنے کو دل چاہتا ہے کہ لبید کا وہ کونسا شعر ہے جس پر وہ مسجود شعراء عرب

سینے ۔معنی کے ساتھ سمجھا بھی دیجیئے گا.... ‘‘

شیخ سلطان احمد کراچی

(۲)

(بنام ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

محترم ڈاکٹر صاحب!

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘ ۔ خدا کرے کہ آپ بعافیت ہوں ۔ میں نے اس رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف نشین ہو کر تفسیر تدبر قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا، اللہ پاک نے اس ارادہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا، اور اب میں تدبر قرآن کے مطالعہ میں محو ہوں ۔ اور چاہتا ہوں، کہ اپنی بے پناہ مسرت میں آپ کو بھی شریک کروں ۔

مجھے اپنی زندگی میں دو مرتبہ نہایت تعجب آمیز مسرّت حاصل ہوئی، ایک تو اس دن جبکہ میں نے اپنے کسی بزرگ کا چشمہ لگا کر کوئی کتاب دیکھی تو میری مسرت اور حیرت کی انتہا نہ رہی، کیونکہ وہ کتاب چشمہ لگا کر پڑھنے سے مجھے بالکل صاف صاف نظر آ رہی تھی، حالانکہ اس سے قبل مجھے کتابیں دھندلی دھندلی سی دکھائی دیتی تھیں، اگرچہ میں انہیں پڑھ لیتا تھا۔

دراصل مجھے اس دھندلاہٹ کی وجہ معلوم نہیں تھی ۔ میں سمجھا کرتا تھا کتابیں ہی دھندلی ہیں، حالانکہ میری اپنی نگاہ کمزور ہو چکی تھی ۔ لیکن اب مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ چشمہ کے دو شیشے نہیں بلکہ دو روشن بلب ہیں جو میری آنکھوں میں فٹ ہو گئے ہیں ۔

دوسری دفعہ مجھے نہایت تعجب آمیز مسرّت اس دن ہوئی جس دن میں نے تفسیر تدبر قرآن کا مطالعہ شروع کیا، اس تفسیر سے قبل، میں نے قرآن مجید کی جتنی تفاسیر یا حواشی دیکھے، اُن سے میں قرآن پاک کو ایک حد تک سمجھتا تو رہا لیکن اس سمجھنے میں ایک دھندلا پن سا موجود تھا، کیونکہ قرآن مجید کی اکثر تشریحات، اس کے الفاظ اور اسلوب بیان کا مکمل ساتھ نہیں دیتی تھیں ۔ اور بعض حواشی پڑھ کر قرآن پاک کی فصاحتؔ و بلاغت ذہن نشین نہیں ہوتی تھی ۔

چنانچہ تدبر قرآن کے ابتدائی صفحات پڑھتے ہی میرا دل فرطِ مسّرت و انبساط سے میرے سینے میں اچھلنے لگا اور میں بار بار ورطۂ حیرت میں ڈوبتا چلا گیا، کہ ہیں! ان آیات کا یہ مفہوم تھا؟ اور قرآن کی بلاغت کا یہ عالم ہے؟ میں اپنے دل کی حیرت و مسّرت سے ملی جلی اُس کیفیّت کا اظہار الفاظ میں کسی طرح بیان کر ہی نہیں سکتا کہ مجھے اب قرآن کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے سے کس قدر مسّرت اور کس قدر حیرانی ہوئی ہے ۔

بس یوں سمجھئے کہ جس حسین محبوب کو میں اب تک سبز، سرخ، نیلے اور پیلے رنگوں کے مختلف باریک نقابوں

کے اندر سے دیکھنے کا خوگر، اور اُسی دیدار کی لذّت سے آشنا تھا، آج میں اپنے اس حسین محبوب کو اپنے سامنے بالکل بے حجاب کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ اور بے پناہ مسرّت کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوتا جا رہا ہوں کہ ہیں! میرا محبوب اس قدر حسین اور اس قدر دلربا ہے! اس کے نقوش اتنے جمیل اور اس کے خدوخال اتنے پیارے ہیں! اس کی ادائیں اتنی دلفریب اور اس کے ناز و انداز اتنے روح افروز ہیں!

اور میں تحدیث نعمت کے طور پر یہ بھی عرض کر دوں کہ اب میرے اس پیارے محبوب کے روئے انور کا جمال میرے قلب و روح پر بھی ضو فشانی کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک نئی کیفیّت یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ قرآن مجھے اپنی طرف اس طرح کھینچ رہا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ تقاضا ابھر رہا ہے کہ کاش! میری زندگی کا ہر لمحہ صرف قرآن کے لیے ہوتا۔ اور فرشتوں کی طرح صرف اسی کے نور پر میری زندگی بسر ہوتی۔ اور دنیا کی معاشی تگ و دو مجھے قرآن پاک سے ایک لمحہ کے لیے بھی دور نہ کر سکتی۔

میں نے تدبّر قرآن کو پڑھتے وقت اپنے دل و دماغ کو تمام سابقہ تفہیمات سے بالکل خالی اور منزّہ کر کے پڑھنا شروع کیا ہے شاید اسی لیے اس کا سمجھنا میرے لیے نہایت آسان ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں فاضل مصنف (اطال اللہ حیاتہ وجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء) کے بلند اور پرشکوہ علمی مقام سے اس قدر متاثر یا مبہوت بھی نہیں ہوا کہ ان کی ہر بات اور ہر تشریح پر آنکھیں بند کر کے ایمان لاتا چلا جاؤں۔ میں نے تدبّر قرآن کو پڑھتے ہوئے قرآن، حدیث اور عقل کی تائید کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔

چنانچہ بعض آیات، اور بالخصوص تقدیر پر دلالت کرنے والی آیات کی تشریحات میں مجھے فاضل مصنّف سے اختلاف بھی پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ میری دانست اور میری تحقیق کے مطابق تقدیر کی آیات کا مفہوم اُن پر جس قدر کھلا ہے، بات ابھی اس سے کچھ اور بھی آگے ہے! میں انشاء اللہ اس قسم کی آیات کے مطالعہ کے لیے فاضل مصنف یا آپ کی خدمت میں رمضان المبارک کے بعد حاضر ہوں گا۔

اللہ تعالےٰ مجھے، فاضل مصنف الاستاذ المحترم مولانا اصلاحی صاحب اور تمام قارئین تدبّر قرآن کو پورا قرآن، اپنی مراد کے مطابق سمجھنے کی توفیق ارزانی فرماوے، اس کے نور سے ہمارے قلوب و روح کو منور فرماوے، اور اسے پورے عالم میں پھیلانے اور نافذ کرنے کی ہم سب کو ہمّت و توفیق میسّر فرماوے (آمین)

احقر انشاء اللہ عید کے بعد، آپ کے حلقۂ درس کا ایک ادنیٰ تلمیذ بننے اور اشاعت قرآن پاک میں آپ کے پروگرام پر عمل کرنے کے لیے ساعی و کوشاں ہو گا۔

دُعا جو

محمّد انور جیلانی۔ (رائے ونڈ)

دو "بقامت کہتر و بے بقیمت بہتر" کتابچے

عام کتابی سائز، عمدہ سفید کاغذ، ٹائپ کی طباعت

(۱)

قرآن اور پردہ

تالیف: ——— مولانا امین احسن اصلاحی

ضخامت ۳۲ صفحات: قیمت ساٹھ پیسے

سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی متعلقہ آیات کی آسان اور دلنشین پیرائے میں تشریح اور ان کے باہمی ربط کی توضیح ——— اور اس عام غلط فہمی کا مدلل ازالہ کہ پردے کے احکام قرآن مجید سے مستنبط نہیں ہیں

(۲)

قرآن اور امن عالم

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ضخامت ۲۶ صفحات: قیمت پچاس پیسے

ایمان و اسلام کی بنیادوں سے لیکر معاشرتی سلامتی اور بین الاقوامی امن تک کیلئے قرآن حکیم کی ہدایت و رہنمائی کی سادہ لیکن دلآویز وضاحت

یہ دونوں کتابچے اس قابل ہیں کہ انکی عام اشاعت کی جائے۔ دونوں کی مجموعی قیمت ایک روپیہ ہوگی اور کم از کم بیس بیس کی تعداد میں طلب کرنے پر مزید پندرہ فیصد رعایت دیجائیگی

دار الاشاعت الاسلامیہ، لاہور

نوٹ: صفحات کے ردوبدل کی وجہ سے دوسری کاپی آخر میں لگا دی گئی ہے۔

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ انفال (۴)

۱۱- آگے کا مضمون آیات ۵۹-۶۶

آگے مسلمانوں کو جہاد کے لیے برابر تیار رہنے اور اس کے لیے اسلحہ اور قوت فراہم کرنے پر ابھارا ہے۔ اس لئے کہ بدر میں قریش کو جو شکست ہوئی اس نے قریش میں بھی آگ لگا دی اور یہود بھی، جو اب تک یہ توقع لیے بیٹھے تھے کہ وہ قریش کے ہاتھوں مسلمانوں کو ختم کرا دیں گے، اپنی اس توقع میں ناکام ہو کر نئے منصوبے بنانے میں پوری طرح سرگرم ہو گئے۔ ان حالات سے نمٹنے کے لیے مسلمانوں کو بھی ہدایت ہوئی کہ اب پوری سرگرمی سے جہاد کے لیے تیاری کرو۔

اسی ضمن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا کہ اگر یہ معاندین کوئی مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا رجحان ظاہر کریں تو تم بھی مصالحت سے گریز نہ کرنا۔ اگر اس مصالحت کے پردے میں انہوں نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو جس خدا نے اپنی نصرت اور انہی تھوڑے سے مسلمانوں کے ذریعہ سے بدر میں تمہیں فتح دلائی ہے وہ اب بھی تمہارے ساتھ ہے۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی کہ تم مسلمانوں کی تعداد کی کمی سے مطلق ہراساں نہ ہو۔ تمہارے لیے اللہ اور انہی تھوڑے سے مسلمانوں کی رفاقت کافی ہے۔ یہی قطرے سیلاب بنیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان دلاؤ کہ ان کے دس آدمی کفار کے سو آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔ اصل طاقت دلوں کی طاقت ہوتی ہے نہ کہ محض گنتی کی۔ جو لوگ تمہارے مقابل میں ہیں وہ محض کھوکھلے دل والے ہیں۔

اس مجموعہ کی آخری آیت ۶۶ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں، مسلمانوں کی کثرت کے دور میں، نازل ہوئی ہے۔ اس نے مسلمانوں پر سے وہ ذمہ داری کچھ ہلکی کر دی جو اوپر والی آیت میں ان پر عائد ہوتی تھی۔

چونکہ اس کا تعلق اسی مضمون سے تھا اس وجہ سے اس کو یہاں جگہ دی گئی۔ آگے اس کی وضاحت آئے گی۔

آیات ۶۶-۵۹

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۵۹ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ
مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ
وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۶۰ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ
لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۶۱ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ
فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۶۲ وَاَلَّفَ
بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۶۳ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۶۴ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَّا يَفْقَهُوْنَ ۶۵ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۶۶

ترجمہ

اور یہ کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ نکل بھاگیں گے، وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکیں گے اور ان کے لئے جس حد تک کر سکو فوج اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جس سے اللہ کے اور تمہارے ان دشمنوں پر تمہاری ہیبت رہے۔ اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ہو، اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا کر دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ ۵۹-۶۰

اور اگر وہ مصالحت کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کے لیے جھک جائیو اور اللہ پر بھروسہ رکھیو۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تم کو دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعہ سے تمہاری امداد کی۔ اور ان کے دلوں کو باہم جوڑا اور اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں کو باہم نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کو جوڑ دیا۔ بے شک وہ غالب اور حکیم ہے۔ ۶۱-۶۳

اے نبی تمہارے لیے اللہ اور یہی مومنین جنہوں نے تمہاری پیروی اختیار کی ہے کافی ہیں۔

اے نبی مومنین کو جہاد پر ابھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تمہارے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر بھاری ہوں گے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بصیرت سے محروم ہیں۔ ۶۴-۶۵

اب اللہ نے تمہاری ذمہ داری ہلکی کر دی۔ اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے۔ سو تمہارے سو ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہوں گے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔ ۶۶

۱۲۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ۔ ۵۹

اوپر کی آیات میں کفار کو جو دھمکی دی ہے اور خاص طور پر یہ بات جو فرمائی ہے کہ ان کی ساری دوا دوش اور ان کی تمام جولانیوں کا خدا احاطہ کئے ہوئے ہے، یہ اسی مضمون کی تاکید مزید ہے۔ فرمایا کہ اب ہم نے ان کا تعاقب شروع کر دیا ہے، اب یہ اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ یہ ہم سے بچ کے نکل جائیں گے۔ یہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ 'اعجزہ الصید' کے معنی ہوں گے فاتہ ولم یقدر علیہ، شکار قابو سے باہر نکل گیا، پکڑا نہ جا سکا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ ۶۰

'وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ' لفظ 'قوۃ' قرآن میں، جیسا کہ ۶۹-توبہ، ۸۰-ہود، ۶۵ کہف، ۱۵ فصلت اور دوسری آیات سے واضح ہے، عددی قوت اور (man Power) کے لیے بھی آتا ہے۔

'رباط الخیل' سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو خاص جنگ کے لیے تربیت دیئے جائیں اور اسی غرض کے لیے محفوظ اور تیار رکھے جائیں۔ جنگ میں ہر قسم کے گھوڑے کام نہیں آتے۔ اس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں ہی کی اصل اہمیت تھی اور عرب کی مخصوص آب و ہوا کے لحاظ سے ان کے ہاں گھوڑوں کی تربیت کا خاص اہتمام بھی تھا۔ اسی چیز کی ہدایت یہاں مسلمانوں کو کی گئی ہے کہ جہاد کے لیے قابل جہاد لوگوں کو بھی منظم کرو۔ اور

تربیت دیئے ہوئے گھوڑے بھی تیار رکھو۔ اب تک تو جب کسی جنگی مہم کی صورت پیش آتی عرب کے عام دستور کے مطابق یہ ہوتا کہ ہر سپاہی، جو سامان اس کو میسّر ہوتا اس کے ساتھ، اٹھ کھڑا ہوتا لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ اپنی فوجی قوت نفری کے اعتبار سے بھی اور اسلحہ و اسباب جنگ کے اعتبار سے بھی زیادہ سے زیادہ بڑھائیں۔ اُس زمانے کی جنگ میں گھوڑوں کو وہی اہمیّت حاصل تھی جو اِس زمانے میں ٹینک اور ہوائی جہاز کو حاصل ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ساتھ گھوڑے بہت کم تھے۔ آگے کے مراحل کے لیے ان کی تعداد زیادہ کرنے کی تاکید ہوئی۔

مسلمانوں کے دشمن اللہ کے بھی دشمن

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ۔ یہ اس تیاری کا مقصد بیان ہوا ہے کہ اللہ کے اور تمہارے دشمنوں پر تمہاری دھاک اور ہیبت قائم رہے کہ تمہیں نرم چارہ سمجھ کر وہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں۔ یہاں مسلمانوں کے تمام دشمنوں کو اللہ کا دشمن ٹھہرایا ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی جنگ جس سے بھی تھی، اللہ کے دین کے لیے تھی، اس میں کسی اور چیز کا کوئی دخل نہیں تھا۔

پس پردہ دشمنوں کی طرف ایک اشارہ

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۔ اللہ اور مسلمانوں کے یہ دشمن دو قسم کے تھے۔ ایک تو وہ جو سامنے آ چکے تھے۔ مثلاً قریش جو روزِ اوّل سے دشمن تھے۔ دوسرے وہ جو ابھی پردے میں تھے۔ مثلاً یہود، جن کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ نیز وہ قبائل جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ عدم جانبداری تھا لیکن، یہود اور قریش کی تحریک سے وہ بھی پَر تولنے لگ گئے تھے۔ علاوہ ازیں وہ منافقین جو منافقت میں بڑے مشاق تھے اور برابر دشمنوں کی مقصد براری کے لیے مصروفِ سازش رہتے تھے۔ قرآن نے سورۂ توبہ میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۔ (۱۰۱ توبہ)	اور تمہارے ارد گرد جو اعراب ہیں ان میں بہتیرے منافق ہیں اور اہل مدینہ میں بھی منافق ہیں۔ یہ اپنے نفاق میں بڑے مشاق ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے۔ ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر یہ ایک عظیم عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔

علاوہ ازیں بیرونی طاقتیں مثلاً رومی، غسانی، ایرانی وغیرہ بھی تھیں جو بعد میں اس وقت سامنے آئیں جب اسلام نے پورے عرب کو زیرِ نگین کر لیا۔ قرآن نے یہاں مسلمانوں کو حاضر سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے ان

دشمنوں کی طرف بھی ایک اشارہ کر دیا جو مستقبل قریب یا مستقبل بعید کے پردوں میں چھپے ہوئے تھے تاکہ مسلمان دور تک نگاہ رکھ کر منصوبہ بندی کریں۔ یہ نہ خیال کریں کہ محض ایک وقتی جھونکا تھا، جو آیا اور اب گزر گیا ہے۔

جنگی تیاریوں کے لیے انفاق

وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ ۔ الایہ ، یہ جنگی تیاریوں کے سلسلہ میں انفاق کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ اس مقصد کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمہارا کوئی دھیلا پیسہ بھی ضائع جانے والا نہیں، اللہ کے ہاں تمہارا پائی پائی کا حساب موجود رہے گا اور وہ سب تمہیں پورا کر دیا جائے گا، اس میں ذرا کمی نہیں ہو گی۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ 'پورا کیا جانا' اسی اصول کے مطابق ہو گا جو نیکیوں کے اجر کے لیے اللہ تعالٰے نے مقرر فرمایا ہے اور جو قرآن میں دوسرے مقام میں مذکور ہے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ
هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ
لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۶۱-۶۳

اجتماعی اصول عدل کا احترام

'وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۔ 'سلم'، ۔ ۔ ۔ ۔ صلح اور مصالحت کے معنی میں آتا ہے اور یہ مونث بھی استعمال ہوتا ہے۔

اوپر جنگ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ 'حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ' کی تصریح کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قریش کے ساتھ یہ جنگ اس وقت تک ختم ہونے والی نہیں ہے جب تک فتنہ کا اور سرزمین حرم سے ہر شائبہ شرک و کفر کا استیصال نہ ہو جائے۔ یہاں یہ واضح فرمایا کہ یہ حکم اس بات کے منافی نہیں ہے کہ کسی مرحلے میں قریش اگر صلح کے خواہاں ہوں تو ان سے صلح کر لی جائے۔ ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی گئی۔ اس وقت تک قریش کے لیڈروں نے جس عناد کا اظہار کیا تھا اس کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کوئی مصالحت نیک نیتی سے کریں گے بلکہ اندیشہ تھا کہ شرارت کرنے اور دھوکہ دینے ہی کے لیے کریں گے اس وجہ سے ان پر اعتماد کرنے کا مسئلہ بڑا مشکل تھا۔ تاہم چونکہ اجتماعی اصول عدل اسی بات کا مقتضی تھا کہ حریف کی صلح کی پیشکش ٹھکرائی نہ جائے اس وجہ سے آنحضرت صلعم کو ہدایت ہوئی کہ اس اندیشے کے باوجود مصالحت قبول کر لینا اور اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر اس کے اعتماد پر تم ایک مقصد خیر کی خاطر خطرہ مول لو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور حریف اس سے کوئی غلط فائدہ

اٹھانے میں کامیاب نہ ہوگا۔

"وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ" یعنی زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا یہی تو کہ وہ تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو اس کی پروا نہ کرنا، اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ "اللہ تمہارے لیے کافی ہے" کے اجمال میں جو کچھ مضمر ہے قلم اس کی تعبیر سے اگرچہ قاصر ہے لیکن وہ بغیر کسی اظہار کے بھی ظاہر ہے۔ یہاں خاص طور پر غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اسلام حق و انصاف کے جس اصول کی تلقین انسان کو اس کی انفرادی زندگی کے لیے کرتا ہے اسی کی تلقین اس کی اجتماعی زندگی کے لیے کرتا ہے اور اسی کی تلقین اس کی بین الاقوامی زندگی کے لیے بھی کرتا ہے اور اس تصریح کے ساتھ کرتا ہے کہ اگر اس میں کچھ خطرہ اور اندیشہ بھی ہو جب بھی کسی خیر کی پیشکش ٹھکرائی نہ جائے، بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے وہ قبول کر لی جائے۔ یہ توکل علی اللہ یہاں خاص طور پر نگاہ میں رہے۔ معلوم ہوا کہ توکل صرف مسجد کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ میدانِ جنگ میں بھی اہل ایمان کی قوت اور بین الاقوامی معاملات میں بھی اہل ایمان کی پشت پناہ ہے۔

"ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین" یہ اس "حسبک اللہ" کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ جس خدا نے بدر میں اپنے فرشتوں کی فوج سے تمہاری مدد کی اور مٹھی بھر مسلمانوں سے کفار کی دل بادل فوج کچلوا دی وہ خدا تمہاری اس وقت بھی مدد فرمائے گا جب تمہارے یہ حریف صلح کے پردے میں تمہارے خلاف جنگ کی سکیمیں بنائیں گے اور تمہاری نیکی سے کوئی غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

"والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم" اوپر جو یہ اشارہ ہوا ہے کہ اللہ نے مومنین کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی، یہ اس کی وضاحت ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ خاص تائید غیبی ہی کا یہ کرشمہ ہے۔ کسی شیطانی مقصد کے لیے کسی بھیڑ کا اکٹھا کر لینا تو مشکل نہیں ہوتا۔ ہر فتنہ باز یہ کام کر سکتا ہے لیکن خاص اللہ کے کام کے لیے جس میں خدا کی خوشنودی اور آخرت کی طلب کے سوا کسی بھی دوسری چیز کا کوئی ادنیٰ شائبہ نہ ہو، کلمۂ حق کے جاں نثاروں کی ایک جمعیت کا فراہم ہو جانا بغیر اس کے ممکن نہیں ہوا کہ اللہ نے تائید کی اور اس کی توفیق بخشی نے رہنمائی فرمائی۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تھے، اپنی یہ نئی زندگی اختیار کرنے سے پہلے، دورِ جاہلیت کی تمام برائیوں میں آلودہ تھے، ان کے قبیلے جدا جدا تھے اور ان میں شدید قسم کے تعصبات تھے، ان کے دیوتا الگ تھے، اور یہ آنکھیں بند کر کے ان کی پرستش کرتے تھے، ان کے مفادات باہم متصادم تھے اور یہ ان کے حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز اور عدل و ظلم کے تمام حدود و قیود سے آزاد تھے۔ اس طرح کے لوگوں کو ان کے تمام تعصبات و مفادات اور تمام رسوم و عادات سے چھڑا کر بالکل ایک نئے سانچہ میں ڈھال دینا اور اس سانچے کو ان کی نگاہوں میں اتنا محبوب بنا دینا کہ اس کی

خاطر وہ قوم، وطن، خاندان، جائیداد اور بیوی بچے سب کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں، یہ خدا ہی کے لیے ممکن ہے۔ کوئی انسان یہ کام نہیں انجام دے سکتا اگرچہ وہ دنیا جہان کے سارے وسائل اس پر صرف کر ڈالے۔ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو کام کرنا چاہتا ہے کر ڈالتا ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ اشارہ ہے ہدایت و ضلالت کے اس قانون کی طرف جس کی وضاحت ایک سے زیادہ مقامات میں ہو چکی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ، ۶۴-۶۵

مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کی ہدایت

'یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین'۔ یہ آیت تمہید ہے اس حکم کی جو بعد والی آیت میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے اللہ کی مدد اور ان تھوڑے سے مسلمانوں ہی کی رفاقت کافی ہے، تو تم کفار کی کثرت اور اپنے ساتھیوں کی قلت کی فکر نہ کرو۔ گویا وہی بات جو اوپر 'فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین' کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے، یہاں دوسرے اسلوب سے کہی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ 'ومن اتبعک' کا عطف 'اللہ' پر ماننے سے شرک کا پہلو پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خیال کلام کے سیاق و سباق پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے جو تاویل کی ہے وہ بالکل واضح، قرآن کے نظائر کے مطابق اور شرک کے ہر شائبہ سے پاک ہے۔

بیس مسلمان سو کافروں پر بھاری

'یا ایھا النبی حرض المومنین'، یہ اسی اوپر والے مضمون کی وضاحت ہے کہ ہر چند تمہارے ساتھیوں کی تعداد باعتبار کمیت تھوڑی ہے لیکن باعتبار کیفیت بہت ہے۔ تمہارے بیس ثابت قدم مسلمان، کفار کے دو سو آدمیوں پر اور تمہارے سو آدمی ان کے ہزار آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ساتھیوں کو اللہ نے بصیرت ایمانی سے نوازا ہے اور تمہارے حریف اس بصیرت سے محروم ہیں۔

مسلمان کی اصل قوت

'لایفقھون'، 'فقہ' سے مراد بصیرت ایمانی ہے۔ یہی بصیرت انسان کا اصل جوہر ہے۔ اس بصیرت کے ساتھ جب مومن میدان جنگ میں نکلتا ہے تو وہ اپنے تنہا وجود کے اندر ایک لشکر کی قوت محسوس کرتا ہے، اس کو اپنے دائیں بائیں خدا کی نصرت نظر آتی ہے، موت اس کو زندگی سے زیادہ عزیز و محبوب ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس کی بصیرت اس کے سامنے اس منزل کو روشن کر کے دکھا دیتی ہے جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ یہی بصیرت اس کے اندر وہ صبر و ثبات پیدا کرتی ہے جو

اس کو تنہا اس بصیرت سے محروم دس آدمیوں پر بھاری کر دیتی ہے۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۶۶

'اَلْئٰنَ' کا لفظ یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ آیت اوپر کی آیات کے بہت بعد اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے چنانچہ دونوں میں تقابل کی نسبت بھی مختلف ہے۔ اوپر والی آیت میں بیس اور دو سو، سو اور ہزار کا تقابل ہے اور اس میں سو اور دو سو، ہزار اور دو ہزار کا تقابل ہے۔ یہ بھی قرینہ ہے کہ یہ مسلمانوں کی کثرت کے دور کی آیت ہے۔ اس کا تعلق چونکہ اسی مضمون سے تھا اس وجہ سے ترتیب میں اس کو یہیں جگہ ملی۔ قرآن میں نظم کے اعتبار کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری میں تخفیف

یہ بات کہ دس مسلمان سو پر بھاری رہیں گے وارد تو ہوئی ہے بشارت کے سیاق میں لیکن اس بشارت کے ساتھ اس نے مسلمانوں پر ایک بھاری ذمہ داری بھی ڈال دی تھی کہ بیس مسلمان دو سو کافروں کا اور سو مسلمان ہزار کافروں کا اپنے آپ کو مدمقابل سمجھیں اور اگر کہیں اسی نسبت کے ساتھ ان سے مقابلہ کی نوبت آن پڑے تو قلت تعداد کے عذر پر ان کو پیٹھ نہ دکھائیں۔ چونکہ پیٹھ دکھانے کا گناہ، جیسا کہ آیت ۱۶ میں بیان ہوا، بہت سخت ہے اس وجہ سے قدرتی طور پر مسلمانوں نے اس ذمہ داری کو ایک بھاری ذمہ داری محسوس کیا ہو گا اور اسی احساس کے ساتھ اس کو ادا کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ بعد میں جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو یہ بوجھ اللہ تعالیٰ نے ہلکا کر دیا اور سابق نسبت بدل کر سو اور دو سو، ہزار اور دو ہزار کی نسبت قائم کر دی گئی۔

تخفیف کے دو سبب

آیت کے الفاظ سے اس نسبت کی تبدیلی کی دو وجہیں سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس نے یہ پسند فرمایا کہ سابقون الاولون کے کندھوں پر جو زیادہ بوجھ ہے وہ ہلکا کر کے دوسرے بعد میں آنے والے مسلمانوں پر ڈال دیا جائے۔

دوسری یہ ہے کہ بعد میں جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے وہ بصیرت و عزیمت کے اعتبار سے سابقون الاولون کے ہم پایہ نہیں تھے، بحیثیت مجموعی ان کا درجہ کم ہی تھا اس وجہ سے ان کی کمزوری کا لحاظ کر کے ان کی ذمہ داری بھی کم رکھی گئی اس کا اشارہ 'علم ان فیکم ضعفا' سے نکلتا ہے۔ 'ضعف' کا لفظ جسمانی اور مادی کمزوری ہی کے لیے نہیں آتا بلکہ عزم و ارادہ اور معرفت و بصیرت کے ضعف

کے لیے بھی آتا ہے۔

ان آیات پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو ایک تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی نصرت کا استحقاق اپنے اندر صفت صبر پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ بغیر اس صفت کے پیدا کئے کسی گروہ کو اللہ کی مدد حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ نکلتی ہے کہ اسباب و وسائل جس رفتار سے بڑھتے جاتے ہیں خدا کی براہ راست مدد اسی نسبت سے کم ہوتی جاتی ہے۔ تیسری حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ اصل قوت ایمان کی قوت ہے دوسری چیزیں سب اس کے توابع میں سے ہیں۔ چوتھی بات یہ نکلتی ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے اس وجہ سے اصل اعتماد اللہ پر ہونا چاہیئے نہ کہ اسباب پر۔

آیات پر تدبر کی نظر

۱۳۔ آگے کا مضمون، آیات ۶۷-۷۱

آگے قریش کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا ہے جو انہوں نے بدر میں شکست کھانے کے بعد اسلام، مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شروع کیا۔ جنگ بدر سے پہلے تک تو، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، وہ اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری کو اسلام کے خلاف بطور ایک دلیل کے پیش کرتے تھے۔ کہتے کہ یہ دین اگر حق ہوتا تو کیا اس کو ایسے ہی کمزور و ناتوان حامل ملتے، اگر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پیغمبر ہوتے تو کیا وہ ایسے ہی بے وسیلہ و ذریعہ اور بے حامی و مددگار ہوتے، اگر اسلام حق ہوتا تو کیا ہم پہ کوئی عذاب نہ آجاتا؟ مختصر یہ کہ وہ اپنے غلبہ اور اسلام کی مغلوبیت کو اسلام کے باطل ہونے اور اپنے برحق ہونے کی دلیل ٹھہراتے۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر کو انہوں نے خود فیصلہ کی ایک کسوٹی کا درجہ دے دیا اور ان کے لیڈروں نے علانیہ یہ کہا کہ اس جنگ میں جو جیتے گا وہ حق پر سمجھا جائے گا، جو ہارے گا وہ باطل پر سمجھا جائے گا۔ بالآخر جب جنگ کا نتیجہ ان کے خلاف نکلا اور وہ خود اپنی ہی انتخاب کردہ کسوٹی پر کھوٹے ثابت ہوگئے تو انہیں اپنی قوم کو سنبھالنے اور بدر کی شکست کے اثرات سے اس کو بچانے کے لیے اپنے پروپیگنڈے کے رخ کو بدلنا پڑا۔ اب انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کہیں کسی پیغمبر کے بھی یہ کام ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہی قوم کو یوں باہم لڑا دے، ملک میں خونریزی کرائے، اپنے ہی بھائی بندوں کو قیدی بنائے، ان سے فدیہ وصول کرے، ان کا مال لوٹے اور اس کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ کر کھائے کھلائے؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ سارے کام تو اقتدار و سلطنت کے طالبوں اور دنیا داروں کے ہیں تو یہ پیغمبر کہاں سے ہوئے اور ان کو خدا سے کیا واسطہ؟

قریش نے اپنے پروپیگنڈے سے ایک طرف تو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اپنی قوم کو بدر کی شکست کے اثرات سے بچانا چاہا کہ مبادا مسلمانوں کی اس فتح مبین سے وہ اسلام اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حقانیت

کا کوئی تصور قبول کر لے، دوسری طرف نہایت ہوشیاری سے مسلمانوں کے اس جوشِ جہاد پر ضرب لگانی چاہی جو بدر کے بعد قدرتی طور پر بہت نمایاں ہو گیا تھا، اور جس پر اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ اسی سلسلہ میں ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دے دیا جائے کہ کم از کم مسلمانوں پر اس کا کوئی بُرا اثر نہ پڑنے پائے۔ چنانچہ یہاں تمام متعلق گروہوں کو مخاطب کر کے اس کا جواب دیا گیا۔

پہلے قریش کے لیڈروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جو کچھ پیش آیا اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں بلکہ خود تم پر ہے۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مالِ غنیمت لوٹنے کے لیے زمین میں خون ریزی تک نوبت پہنچا دے۔ ان چیزوں کے طالب تم ہو، خدا ان چیزوں کا طالب نہیں ہے۔ شکر کرو کہ ابھی بات یہیں تک رہ گئی، ورنہ تم نے جو شرارت کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم پر خدا کا کوئی سخت عذاب آ جاتا لیکن اللہ نے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس وجہ سے تمہیں مہلت دے دی گئی۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ان شریر لوگوں کے پروپیگنڈے سے ذرا متاثر نہ ہو۔ جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے وہ تمہارے لیے بالکل حلال طیب ہے۔

اسی سلسلہ میں جنگِ بدر کے ان قیدیوں کو جنہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا، یہ پیغام دلوایا کہ وہ یہ فدیہ لیے جانے سے دل گرفتہ نہ ہوں۔ یہ ان کے اوپر ایک احسان کیا گیا ہے اور اگر انہوں نے اس کی قدر نہ کی بلکہ پھر اسلام کے مقابل میں جنگ کے لیے آئے تو یاد رکھیں کہ اس سے بھی سخت دن دیکھیں گے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ　(الانفال: ۶۷-۷۱)
عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۶۷
لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۶۸
فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۶۹ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى
اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ
مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۷۰ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ
فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۷۱

ترجمہ

کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے سروسامان کے طالب ہو اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو جو روش تم نے اختیار کی اس کے باعث تم پر ایک عذاب عظیم آ دھمکتا۔ ۶۷-۶۸

پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ برتو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ۶۹

اے نبی تمہارے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو وہ عطا فرمائے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور اگر یہ تم سے بدعہدی کریں گے تو اس سے پہلے انہوں نے خدا سے بدعہدی کی تو خدا نے تم کو ان پر قابو دے دیا اور اللہ علیم و حکیم ہے ۷۰-۷۱

۱۴- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

'مَا كَانَ لنبی ان یکون لہ اسرٰی حتی یثخن فی الارض'

'مَا كَانَ' کا اسلوب بیان الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے آسکتا ہے اور قرآن میں دونوں ہی قسم کے مواقع میں یہ اسلوب استعمال ہوا ہے۔ اس امر کا تعین کہ یہ الزام کے لیے ہے کہ رفع الزام کے لیے موقع و محل، سیاق و سباق، قرینہ اور مخاطب کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی اسلوب بیان آل عمران ۱۶۱ میں ہے وما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یأت بما غل یوم القیٰمۃ (اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا) ظاہر ہے کہ یہ آیت الزام کے لیے نہیں بلکہ رفع الزام اور نبی کی تنزیہ شان کے لیے ہے۔ اس آیت کے بارے میں تمام اہل تاویل کا اتفاق ہے کہ منافقین کو مخاطب کر کے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تم نبی پر خیانت کی جو تہمت دھرتے ہو یہ سورج پر تھوکنے کی کوشش کے مترادف ہے، کوئی نبی بھی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ خیانت اور بے وفائی کا مرتکب ہو۔ ٹھیک اسی اسلوب پر آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے کہ تم

'ما کان' کا اسلوب بیان رفع الزام کے لیے

نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ یہ ہوس اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انہوں نے خونریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمہاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں، کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خون ریزی برپا کر دے۔ یہ باتیں تم اس لئے کہتے ہو کہ تم نبی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمہاری چاہتیں چونکہ یہی کچھ ہیں، تم سمجھتے ہو کہ نبی بھی یہی کچھ چاہتا ہے۔

'تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ' یہ خطاب قریش سے ہے۔ قرآن میں خطاب کا انداز، جیسا کہ ہم بار بار واضح کر چکے ہیں، بالکل اس طرح کا ہوتا ہے جو ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے۔ جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں، بیک وقت، سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا چلا جاتا ہے۔ خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا کیا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صدیق اکبرؓ کو ماننے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اور بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبی اور صدیق کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان بھی لے تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبیؐ اور صدیق رضؓ کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے گا۔

خطاب قریش سے

بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے، اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں۔ اسلوب بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ یہ ہو رہا ہے یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے، نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اب تم جو خرافاتی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔

'لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم' یعنی تم نے

اتنے ہی پر یہ واویلا برپا کر رکھا ہے حالانکہ یہ تو صرف ایک چرکا ہے جو تمہیں لگا ہے۔ تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمہیں ایک عذاب عظیم آ پکڑتا لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس نے تمہیں مہلت دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس شور و غوغائے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس فیصلہ کن گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی روش کی اصلاح کر لو۔

'فیما اخذتم' میں 'ما' کے ابہام کی یہاں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور 'اخذ' کا لفظ لینے پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے، کسی کام کو شروع کرنے، سب کے لیے آتا ہے۔ سورہ توبہ میں ہے 'ان تصبک مصیبۃ یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل' ۵۰ (اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ منافق کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کر لیا تھا۔) یہاں یہ مطلب ہوگا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا اس کی بنا پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔

ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عتاب ہے کہ وہ زمین پر خون ریزی کئے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہو گئے؟ صحیح تاویل واضح ہو جانے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ فدیہ قبول کرنے کے معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے بالفرض غلطی ہوئی بھی تو یہ کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کی غلطی نہیں تھی بلکہ صرف اجتہاد کی غلطی تھی۔ اجتہاد کی غلطی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ایسی سخت وعید وارد ہو۔ بالخصوص ایک ایسا اجتہاد جس کی تصدیق فوراً ہی خود اللہ تعالیٰ نے کر دی ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ اجتہاد کی غلطی بھی نہیں تھی۔ جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۂ محمد میں پہلے بیان ہو چکا تھا کہ وہ قتل بھی کئے جا سکتے ہیں، فدیہ لے کر بھی چھوڑے جا سکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے محض احساناً بھی چھوڑے جا سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جہاں تک خون ریزی کا تعلق ہے اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ قریش کے ستر آدمی، جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، مارے گئے، کم و بیش اتنے ہی آدمی قید ہوئے، باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس سے جاری رکھی جاتی؟

چوتھی یہ کہ یہاں عتاب کے جو الفاظ ہیں وہ قرآن کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جو شخص قرآن کے انداز بیان

وخطاب سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان لفظوں میں قرآن نے کٹر کفار و منافقین کے سوا اور کسی پر عتاب نہیں کیا ہے مثالیں نقل کرنے میں طوالت ہوگی، جس کو تردد ہو وہ قرآن میں ان تمام مواقع پر ایک نظر ڈال لے جہاں 'لولا کتاب من اللہ الا یہ' کے الفاظ سے کسی پر عتاب ہوا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۶۹

مسلمانوں کو اطمینان

اب یہ مسلمانوں کی طرف رخ کرکے انہیں اطمینان دلایا کہ تم ان لوگوں کی ان ہفوات کی مطلق پروا نہ کرو، جو مال غنیمت یا فدیہ تمہیں حاصل ہوا ہے اسے کھاؤ برتو، یہ تمہارے لیے حلال وطیب ہے۔ چونکہ یہ بات بعینہٖ اسی بات کا ایک حصّہ ہے جو اوپر والی آیات میں مسلمانوں کے دفاع میں کہی گئی ہے اس وجہ سے 'ف' کے واسطہ سے اسی پر عطف کر دی گئی ہے۔ بس اتنا فرق ہوا ہے کہ اوپر کی بات قریش کو مخاطب کرکے کہی گئی ہے اس لئے کہ وہ انہی سے کہنے کی تھی اور اس دوسری بات کا رخ مسلمانوں کی طرف ہو گیا ہے اس لیے کہ یہ انہی کو جتانے کی تھی۔ خطاب میں اس طرح کی جو لطیف تبدیلیاں ہوتی ہیں اس کی متعدّد مثالیں خود اس سورہ میں بھی گزر چکی ہیں۔ ایک نہایت عمدہ مثال سورہ یوسف میں موجود ہے۔

يُوْسُفُ، اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا	یوسف، تم اس سے اعراض کرو، اور
وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ	تو اپنے گناہ کی مغفرت چاہ، بے شک تو
كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ۔ ۲۹۔ یوسف	ہی خطاکاروں میں سے ہے۔

دیکھیے، ایک ہی سانس میں عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ کو بھی خطاب کیا اور اپنی بیوی کو بھی اور رخ کی تبدیلی اور بات کی نوعیت سے خطاب کا فرق بغیر کسی التباس کے نمایاں ہو گیا۔

یہاں مسلمانوں کو مال غنیمت کے حلال و طیب ہونے سے متعلق جو اطمینان دلایا گیا وہ درحقیقت قریش کے جواب میں ہے۔ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ واقعۂ بدر کے بعد قریش نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ مسلمان مدعی بن کر تو اٹھے ہیں دینداری کے لیکن ان کے کام بالکل دنیاداروں کے ہیں۔ بھلا دینداروں کے یہی کام ہوتے ہیں کہ ملک میں خونریزی کریں، مال غنیمت لوٹیں، فدیہ وصول کریں اور اس کو مزے سے کھائیں؟ یہ تو وہی شیوہ ہے جو ہمیشہ سے دنیاداروں کا شیوہ ہے۔ قرآن نے یہ بتایا کہ تم ان مفتیوں کے فتوے کی ذرا پروا نہ کرو۔ ان کے نزدیک تو تم بہرشکل گنہگار ہو۔ اگر تم اس جنگ میں ہار جاتے تو تمہارا ہار جانا ان کے نزدیک تمہارے باطل پر ہونے کی دلیل بنتا اور اب جبکہ جیت گئے ہو تو تمہارا قیدی پکڑنا، مال غنیمت پانا اور فدیہ وصول کرنا اور اس کو کھانا ان کے نزدیک تمہارے باطل پر ہونے کی دلیل ہے۔ ان لوگوں سے عہدہ برآ ہونے کی شکل بس یہ ہے کہ ان کی پروا نہ کرو اور اللہ نے جو فتوح تمہیں بخشی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ تمہارے لیے حلال طیب ہیں۔

یہ امر یہاں ذہن میں رکھیے کہ اس زمانے میں عام طور پر مذہب کے رہبانی تصور کا غلبہ تھا اس وجہ سے اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بہت سے نیک دل لوگ قریش کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو جائیں جس کا اثر مسلمانوں کے اس ولولۂ جہاد پر پڑے جس کی اس سورہ میں دعوت دی گئی ہے۔ قرآن نے ان کی تردید کر کے اس امکان کا سدباب کر دیا۔

'واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم'۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز جائز اور طیب ہے اس کو تو کھاؤ برتو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کسی ایسی چیز میں آلودہ نہ ہو جاؤ جس سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ اگر تم حدود الٰہی کے تجاوز سے بچتے رہے تو وہ تمہاری چھوٹی موٹی غلطیوں اور کوتاہیوں پر گرفت نہیں فرمائے گا، وہ غفور رحیم ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ ۷۰-۷۱

اب یہ بدر کے قیدیوں کے لیے ایک پیغام بھی ہے اور ساتھ ہی ایک دھمکی بھی۔ پیغام تو یہ ہے کہ تم سے جو فدیہ لیا گیا ہے اس سے دل گرفتہ ہونے کے بجائے تمہیں اللہ اور رسولؐ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ قتل کرنے کے بجائے تمہیں فدیے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ تمہارے اوپر اللہ اور رسولؐ کا بہت بڑا احسان ہے اور اس احسان کا حق یہ ہے کہ تم ٹھنڈے دل سے اپنے رویہ کا از سر نو جائزہ لو اور سارے معاملہ پر جذبات کے بجائے عقل و انصاف کی روشنی میں غور کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم اس احسان کی قدر کرنے والے بنو گے اور تمہاری یہ سعادت، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق کو تمہاری طرف متوجہ کرے گی اور اس فدیہ سے جو تم سے لیا گیا ہے، کہیں بڑھ کر وہ تمہیں اسلام کی نعمت بخش دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا۔

بدر کے قیدیوں کے لیے پیغام اور وعید دونوں

'وان یریدوا خیانتک فقد خانوا اللہ من قبل الایہ'۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور بدر کے قیدیوں کو دھمکی ہے۔ پیغمبر کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر انہوں نے بے وفائی کی اور تم نے ان پر جو احسان کیا ہے اس کی قدر نہ پہچانی، پھر لڑنے کے لیے آئے تو یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے، اپنی ہی شامت بلائیں گے۔ اس سے پہلے انہوں نے خدا سے بے وفائی و بدعہدی کی تو اس کا مزا انہوں نے چکھا کہ خدا نے ان کو تمہارے ہاتھ میں دے دیا۔ اگر یہی حرکت انہوں نے پھر کی تو خدا پھر انہیں تمہارے قابو میں دے دے گا اور یہ اپنی اس بدعہدی کی سزا بھگتیں گے۔ یہاں جس بدعہدی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ اللہ نے ان کو اپنے حرم کا پاسبان بنایا اور ان کو ملت ابراہیمؑ کی وراثت سپرد کی تو انہوں نے حرم کی حرمت برباد کی اور

ملّتِ ابراہیمؑ کو مسخ کیا جس کے نتائج ان کے آگے آ رہے ہیں۔ اگر اپنے اس جرم پر یہ کچھ اور اضافے کرنا چاہتے ہیں تو یہ شوق بھی پورا کر لیں، اس کے پھل بھی یہ چکھیں گے۔

ان دونوں آیتوں پر غور کیجئے تو یہ بات صاف واضح ہو گی کہ آنحضرتؐ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر جو چھوڑ دیا تو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا بلکہ اس نے اس کو پسند فرمایا اور ان قیدیوں کو یہ پیغام بھجوایا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اس احسان کی قدر کی تو اس سے ان کے لیے قبولِ اسلام اور مغفرت کی راہیں کھلیں گی۔ غور کیجئے کہ کہاں یہ بات اور کہاں وہ جو محض بعض تفسیری روایات کی بنا پر مفسرین نے اختیار فرمائی کہ آنحضرتؐ پر اس بات کے لیے عتاب ہوا کہ ابھی طرح خون بہائے بغیر تم نے قیدی کیوں پکڑے اور فدیہ کیوں قبول کیا۔

۱۵۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۷۲-۷۵

اب آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ مسلمانوں کو ایمان و ہجرت کی اساس پر منظم ہو جانے اور ایمان و ہجرت ہی کو باہمی تعاضد و تناصر کی بنیاد قرار دینے کا حکم ہوا۔ جاہلیت کے خاندانی تعلقات اور ان کی ذمہ داریاں یک قلم ختم کر دی گئیں۔ حکم ہوا کہ جو لوگ ایمان لائیں، ہجرت کر کے مدینہ میں آ بسیں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر اہلِ کفر سے جہاد کریں وہ ایک ملّت اور باہم گرایک دوسرے کے بھائی اور اولیا ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کو اس کی مخصوص اساسات پر منظم اور مستحکم کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ملّت کفر کے مقابلہ کے لیے انصار و مہاجرین ایک بنیان مرصوص کی طرح کھڑے ہو سکیں۔ اوپر مسلمانوں کو جہاد پر جو ابھارا گیا ہے یہ اس جہاد کی تیاری بھی ہے اور آگے والی سورہ میں کفار سے جو اعلانِ برأت ہونے والا ہے اس کی تمہید بھی۔ آیات کی تلاوت فرمائیے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ع ۷۵

ترجمہ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ باہمدگر ایک دوسرے کے ولی ہیں رہے وہ لوگ جو ایمان تو لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی رشتۂ ولایت نہیں تا آنکہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم پر مدد واجب ہے۔ الا آنکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابلے میں ہو جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے حامی و مددگار ہیں تو اگر تم یہ نہ کرو گے تو ملک میں ظلم اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ پکے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اس کے بعد اور ہجرت کریں اور تمہارے ساتھ جہاد میں شریک ہوں، وہ بھی تمہی میں سے ہیں۔ اور رحمی رشتے والے اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں بیشک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۷۲-۷۵

۱۶- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ج وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ - ۷۲

اسلام میں حمایت و نصرت کی بنیاد ایمان ہے

اسلام سے پہلے باہمی حمایت و نصرت کی بنیاد خاندانی و قبائلی عصبیت پر تھی۔ کوئی شخص یا خاندان کسی خطرے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو اس کا خاندان یا قبیلہ اس کی حمایت و مدافعت میں سربکف ہوتا۔ اسلام نے مدینہ میں جو نیا معاشرہ قائم کیا اس میں حمایت و نصرت کی بنیاد ایمان و ہجرت پر رکھی۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ باہم دگر ایک دوسرے کے یار و ناصر اور حامی و مددگار ہیں۔ اٰمنوا و ہاجروا

سے ظاہر ہے کہ مہاجرین مراد ہیں اور 'اووا ونصروا' سے انصار۔ ان دونوں گروہوں کا ذکر ان کے اسماء و اعلام کے بجائے ان کی صفات اور ان کی دینی خدمات سے کیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نئی سوسائٹی میں خاندان و نسب کی عصبیت کے بجائے اعتبار صرف ایمان و اسلام اور ہجرت و جہاد کا ہوگا۔ یہ ایک دوسرے کے ولی یعنی حامی و ناصر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حمایت و نصرت اہل کفر کے مقابل میں ہے۔ یہ بات اگرچہ بیان واقعہ کے اسلوب میں ہوئی ہے لیکن اس کے انداز امر کا مضمون بھی مضمر ہے یعنی یہ حکم ہے کہ اہل کفر کے مقابل میں اہل ایمان ایک دوسرے کے حامی و مددگار بن کر کھڑے ہوں اور جب ضرورت پیش آئے ایک دوسرے کی نصرت و مدافعت کریں۔

'والذین امنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا' ان لوگوں کو جو اسلام تو لا چکے تھے لیکن ابھی انہوں نے دارالکفر سے دارالسلام مدینہ کو ہجرت نہیں کی تھی اس آیت نے ولایت سے الگ رکھا یعنی دارالاسلام والوں پر ان کی حمایت و نصرت اور حفاظت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس ذمہ داری کے نہ اٹھانے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ عملاً یہ ناممکن بھی تھی اور اس سے بہت سی بین الاقوامی پیچیدگیاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس وقت مصلحت بھی یہی اور حکم بھی یہی تھا کہ تمام وہ لوگ جو اسلام لا چکے ہیں دارالکفر کے علاقوں سے نکل کر مدینہ میں مجتمع ہوں تاکہ اہل کفر سے نمٹنے اور بیت اللہ کی آزادی کے لیے منظم جدوجہد عمل میں آسکے۔

ہجرت کے بعض وقتی مصالح

'وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق'

معاہدہ کا احترام

یعنی ہر چند دارالاسلام والوں پر ان مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے جنہوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے تاہم اگر وہ دین کے معاملے میں طالب مدد ہوں تو ان کو ممکن مدد بہم پہنچائی جائے بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسی قوم کے مقابل میں نہ ہو جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو۔ معاہدہ کا احترام مقدم ہے۔ 'واللہ بما تعملون بصیر' یہ معاہدہ کے احترام کو مؤکد کرنے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کے احترام کے منافی خفیہ یا علانیہ جو قدم بھی تم اٹھاؤ گے خدا اس سے بے خبر نہیں رہے گا، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

'والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر' یہ وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ خاص دین کے باب میں دارالکفر کے مسلمانوں کی مدد کرنا کیوں ضروری ہے؟ فرمایا کہ جہاں تک اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کا تعلق ہے اس معاملے میں تمام کفار ایک دوسرے کے دست و بازو بن گئے ہیں۔

جو اللہ کا بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے اس کی تعذیب و ایذا رسانی سب کے نزدیک کارِ ثواب ہے۔ یہاں تک کہ ظالموں کے ظلم سے اس کو بچانے کے لیے اس کے اپنے بھائی بندوں کی حمیت بھی مردہ ہو چکی ہے۔ اس کا مال اور اس کی جان سب مباح ہیں۔ ایسی حالت میں اگر تم بھی ان مظلوموں کی مدد نہ کرو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دین سے پھرنے کے لیے سارے ملک میں ظلم و فساد عام ہو جائے۔ فتنہ کا لفظ یہاں PERSECUTION کے مفہوم میں ہے اور 'الا تفعلوہ' میں ضمیر مفعول کا مرجع وہی نصرت ہے جس کا ذکر 'نعلیکم النصر' میں آیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۷۴

اس آیت میں ہجرت کو دار الکفر کے مسلمانوں کے لیے صداقت کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ جب یہ فرمایا کہ سچے اور پکے مسلمان وہی ہیں جنہوں نے ہجرت اور جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی تو اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ اسلام کی اصل دولت مہاجرین و انصار ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لا چکے ہیں لیکن انہوں نے ابھی دار الکفر سے ہجرت نہیں کی ہے انہیں اپنے ایمان کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دار الکفر سے نکل کر دار الاسلام میں آئیں اور مہاجرین و انصار کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوں۔ اس سے ہجرت کی وہ غایت بھی واضح ہوئی جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ اس کا اہم مقصد مسلمانوں کو جہاد کے لیے منظم کرنا تھا، دوسرے یہ اشارہ بھی نکلا کہ یہ ایمان و نفاق کے جانچنے کی کسوٹی بھی ہے۔ چنانچہ بعد والی سورہ سورہ توبہ میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جن لوگوں نے ایمان کے دعوے کے باوجود، آخر تک بلا کسی عذر معقول کے ہجرت سے گریز اختیار کیا، ان کا شمار منافقین کے زمرے میں ہوا۔

دار الکفر کے مسلمانوں کے لیے ہجرت صداقت کی کسوٹی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷۵

یہ دار الکفر کے مسلمانوں کو ہجرت کی ترغیب و تشویق بھی ہے کہ تمہارے لیے بھی اسلامی معاشرہ کا یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس کی طرف سبقت کرو اور اس میں اپنا مقام حاصل کرو اور دار الاسلام کے مسلمانوں کو تاکید بھی کہ بعد میں ایمان لانے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے بھی اپنے دلوں کے دروازے کھلے رکھو، وہ بھی تمہارے ہی بھائی بند اور تمہارے ہی وجود ملی کے اجزا ہیں۔ نہ ان کے مقابل میں تمہارے اندر کوئی احساس برتری پیدا ہو، نہ دلوں میں کوئی تنگی۔

دار الاسلام کے مسلمانوں کو ترغیب

اولوالارحام کے شرعی حقوق مقدم ہیں

'واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ'۔ یہ اخوت ونصرت کے اس عام ضابطہ کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوا، حقوق اور وراثت کے اس خاص قانون کی یاد دہانی کر دی گئی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رحمی رشتوں کی بنا پر جو حقوق اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائے ہیں وہ بدستور قائم رہیں گے۔ یہ اخوت اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔ رحمی رشتوں کے حقوق کے ساتھ 'فی کتاب اللہ' کی قید یہ بات واضح کرتی ہے کہ یہاں حقوق سے مراد رحم اور قرابت کے وہ حقوق ہیں جو اللہ کے قانون میں بیان ہوئے ہیں، وہ رسوم اس سے خارج ہیں جو جاہلیت میں رائج رہے ہیں۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی جہاں مسلمانوں کو اپنے دینی واسلامی بھائیوں اور اولیاء کے ساتھ حسن سلوک اور نصرت واعانت کی تاکید کی گئی ہے وہاں یہ تنبیہ کر دی گئی ہے کہ اولوا الارحام کے شرعی حقوق مقدم رہیں گے۔ سورہ احزاب میں ہے واولوا الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی اولیٰئکم معروفا ط کان ذلک فی الکتاب مسطورا ۶ احزاب (اور مومنین ومہاجرین میں رحمی رشتے والے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ کے قانون میں، مگر یہ کہ تم اپنے اولیا کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرو، یہ چیز کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

'ان اللہ بکل شیئ علیم'۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ہر بات اس کے بے خطا علم پر مبنی ہے اور ہر چیز کا اس نے ایک محل ومقام مخصوص کیا ہے۔ دینی اخوت وولایت کا اپنا دائرہ ہے اور رحمی قربت وقرابت کا اپنا مقام ہے۔ اپنے اپنے محل میں دونوں کا احترام کرو اور خدا نے ان کے جو حقوق ٹھہرائے ہیں ان کو ادا کرو۔

اسلامی سیاست کے چند اصول

اس مجموعہ آیات پر تدبر کی نظر ڈالیے تو ان سے اسلامی سیاست کے چند اصول سامنے آئیں گے جو بین الملی بھی ہیں اور بین الاقوامی بھی۔ ہم اختصار کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ ایک یہ کہ انصار ومہاجرین ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ ان کے درمیان ایمان اور ہجرت کا رابطہ اور اسی کی اساس پر اخوت اور حمایت ونصرت کے حقوق وفرائض ہیں۔ پچھلی خاندانی وقبائلی عصبیتیں ختم ہوئیں اور باہمی تعاضد وتناصر اور حمیت وحمایت کی اساس اسلامی اخوت پر استوار ہوئی۔

۲۔ جو لوگ ایمان لائے لیکن انہوں نے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی وہ اس نئے اسلامی معاشرہ کے حقوق حمایت ونصرت میں شریک نہیں ہیں تاآنکہ وہ ہجرت کریں۔

۳۔ یہ دارالکفر میں پڑے ہوئے مسلمان اگر اسلام لانے کے جرم میں کہیں ستائے جا رہے ہوں تو ان کو ظلم سے بچانے کے لیے ان کی مدد کی جائے بشرطیکہ اس کے لیے کسی معاہد قوم سے جنگ نہ کرنی پڑے۔

۴۔ ہجرت ہر مسلمان پر واجب قرار دی گئی تاکہ مسلمان کفر کی طاقتوں سے مقابلہ کے لیے ایک مرکز

ہیں مجتمع اور منظم ہو سکیں۔

۵۔ رحمی رشتوں کی بنا پر قرآن نے جو حقوق قائم کیے ہیں اسلامی اخوت کے حقوق ان پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔ وہ بہرحال مقدم رہیں گے۔

ان سطروں پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بدھ - ۱۹ر فروری ۶۹ء

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۝

مبادیٔ تدبّرِ قرآن

از مولانا امین احسن اصلاحی

★ عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں ★ بڑے سائز یعنی ۲۲×۱۸/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ★ مضبوط جلد اور دیدہ زیب آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کیساتھ

بقول مصنّف

"..... میں ہر اس شخص کو جو ہمارے طریقہ پر قرآن پر غور کرنا چاہتا ہو، یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اس کتاب کو نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار غور سے پڑھ لے، اسی سے تدبر قرآن کے ان اصولوں کی رہنمائی ہو گی جو میں نے اپنے استاد سے سیکھے تھے اور جو میں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھے ہیں میرے نزدیک یہی اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین میں سے ان لوگوں نے ملحوظ رکھے جن کو علم قرآن میں سے حصہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے کوئی حصہ پائیں گے جو ان اصولوں کو رہنما بنا کر قرآن میں غور کریں گے۔"

قیمت -/۶ روپے (محصول ڈاک ایک روپیہ)

دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور

علومِ قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شہرہ آفاق تفسیر

تدبّرِ قرآن

کی دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں

بڑی تقطیع یعنی ۲۹×۲۲ سائز پر ۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت ۔ کاغذ نہایت عمدہ دبیز سفید

اصلی سنہری ڈائی اور چرمی پشتے کی خوشنما اور مضبوط جلد :

★ جلد اوّل : مشتمل بر مقدمہ، تفاسیر آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ــــ صفحات : ۸۸۰

★ جلد دوم : مشتمل بر تفاسیر سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام اور سورۂ اعراف ــــ صفحات : ۸۰۸

● ہدیہ جلد اوّل ۳۶/۰۰ ـ جلد دوم ۳۲/ـ

★ محصول ڈاک ۳/ـ فی جلد

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ـ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ـ فون : ۶۹۵۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار احمدؒ

مُطالعۂ قرآن کا ایک منتخب نصاب

(۲)

[اس مضمون کی پہلی قسط جولائی اور اگست ۱۹۷۱ء کے مشترکہ شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ مدیر]

ایمان کے مباحث کے بعد 'عمل صالح' کی تشریح پر مشتمل چھ مقامات شاملِ نصاب ہیں۔ اور وہ گویا کہ سورۂ والعصر میں بیان شدہ لوازمِ نجات میں سے دوسری لازمی شرط یعنی "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" ہی کی تفسیر مزید ہیں۔ اس لیے کہ از روئے قرآن انسان کی مطلوبہ سیرت و کردار کا پورا ڈھانچہ بغایتِ اختصار ان تین مقامات میں بیان ہو چکا ہے جو سورۂ والعصر کے فوراً بعد 'جامع اسباق' کی حیثیت سے شاملِ نصاب ہیں۔ اور پھر اس کی کسی قدر وضاحت بھی ایمان کے مباحث میں ہو چکی ہے۔ چنانچہ آیۂ بِرّ (سورۂ بقرہ۔ ۱۷۷) میں ایک صحیح معنی میں 'نیک' اور 'شریف' انسان کی شخصیت کا پورا خاکہ (BLUE PRINT) موجود ہے، پھر سورہ لقمان کے دوسرے رکوع میں بھی ایک 'حقیقت بیں' اور 'فرض شناس' انسان کی شخصیت کا کامل ہیولیٰ موجود ہے، اور سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ میں بھی ایک حقیقی معنوں میں 'بندۂ رب' کی پوری تصویر کشی کر دی گئی ہے ——— اور پھر ان سے بھی کہیں زیادہ وضاحت اور جامعیت کے ساتھ مباحثِ ایمان کے ذیل میں ایک 'مردِ مومن' کا پورا کردار سامنے آ چکا ہے، جس کے 'خارج' کے دو پہلو یا ظاہری تصویر کے دو رخ سورۂ آل عمران کے آخری اور سورۂ نور کے پانچویں رکوع سے واضح ہو گئے (یعنی موخر الذکر مقام پر تعبدی پہلو جو عشق و محبت، ذوق و شوق، عبادت و ریاضت، ذکر و شغل، انابت و اخبات اور خوف و خشیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ اور مقدم الذکر مقام پر مجاہدانہ پہلو جو جہاد و قتال، مصابرت و مقاومت، ایذاء و ابتلاء، اور ہجرت و انقطاع کی شان رکھتا ہے) اور اس کی تکمیل سورۂ تغابن کے دوسرے رکوع سے ہو گئی جس نے ایمان کی داخلی کیفیات اور اس

کے باطنی نتائج و ثمرات (یعنی تسلیم و رضا، توکل و اعتماد، اطاعت و انقیاد وغیرہ) کو بیان کر کے گویا قرآن کے 'مردِ مومن' کی شخصیت کا 'عرضِ ثالث' (THIRD DIMENSION) بھی واضح کر دیا جس سے ایک زندہ اور جیتی جاگتی انسانی شخصیت پوری طرح نگاہوں کے سامنے آگئی۔ اور قرآن کے 'انسانِ مطلوب' کا پورا ہیولیٰ واضح ہو گیا۔

اسی کی مزید وضاحت کے لیے قرآن مجید کے چھ اور مقامات کو داخل نصاب کیا گیا ہے، جن میں سے پہلے تین مقامات زیادہ تر انسان کی نجی شخصیت اور اس کی ذاتی سیرت و کردار سے بحث کرتے ہیں اور بقیہ تین مقامات انسان کی اجتماعی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ذیل میں ان کو سلسلہ وار بیان کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے کے پہلے دو مقامات سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات (ایک تا گیارہ) اور سورۂ معارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵ پر مشتمل ہیں۔ اور (چونکہ ان میں حیرت انگیز مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے لہٰذا دراصل) یہ دونوں مل کر ایک درس بنتے ہیں اور انہیں ایک ہی نشست میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ان دونوں مقامات کے مطالعے سے وہ بنیادی اصول واضح ہو جاتے ہیں جن پر قرآن کے 'انسان مطلوب' کی ذاتی شخصیت اور انفرادی سیرت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ گویا کہ ان مقامات پر بیان شدہ صفات مل کر وہ بنیاد کا پتھر (FOUNDATION ROCK) مہیا کرتی ہیں جس کے بغیر اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر ایک خیالِ خام اور امیدِ موہوم ہے۔

ان اساسات میں اولین اور اہم ترین اساس نماز ہے جس کو دونوں جگہوں پر اولین صفت کی حیثیت سے بھی بیان کیا گیا اور آخری صفت کی حیثیت سے بھی۔ گویا کہ یہ ایک مسلمان کی زندگی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی، اور اس کی شخصیت کی عمارت کا سنگِ بنیاد بھی ہے اور اس کی بلند ترین منزل بھی، بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کے شہرِ زندگی کی ایسی فصیل ہے جس نے پورے طور پر اس کی زندگی کا احاطہ کر لیا ہے اور اسے کلیۃً اپنے حصار میں لے لیا ہے۔ اسی حقیقت کو مزید اس طرح واضح کیا گیا کہ سورۂ مومنون میں جس جگہ 'المومنون' کا لفظ استعمال ہوا سورۂ معارج میں وہاں "المصلّین" کی اصطلاح رکھ دی گئی۔ گویا 'مسلمان' اور 'نمازی' لازم و ملزوم ہیں، یا باہم دگر مترادف و ہم معنی۔ مزید یہ کہ نماز کی روح یعنی خشوع کی اہمیت تو اس طرح واضح کر دی گئی کہ سب سے پہلے ذکر اسی کا ہوا لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی کھول دی گئی کہ اس کی اصل جان دوام و محافظت ہے (چنانچہ دونوں مقامات کو بیک وقت نگاہ میں رکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ خشوع

کا ذکر صرف ایک بار ہوا ہے جبکہ دوام و محافظت کا تین بار۔)

دوسری صفت استحضارِ آخرت ہے جس کا ذکر سورۂ معارج میں "تصدیق یوم الدّین" اور "خوفِ عذاب و عقوبت" کی صورت میں کیا گیا اور جس کا ماحصل "اعراض عن اللّغو" کے عنوان سے سورہ مومنون میں بیان کر دیا گیا۔

تیسری صفت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے حصول کے لیے انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ و خیرات پر مسلسل عامل رہنا ہے جس کی طرف دونوں مقامات پر گہرے اور بلیغ اشارے کر دیئے گئے۔ چنانچہ سورہ مومنون میں "للزکوٰۃ فاعلون" کے الفاظ سے اس عمل کے دوام اور تسلسل کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور سورہ معارج میں اسے "حق" سے تعبیر کر کے صدقہ و خیرات کی اصل روح کی طرف توجہ دلا دی گئی۔

چوتھی صفت 'ضبطِ شہوت' (SEX DISCIPLINE) ہے۔ جس کے ذیل میں ایک طرف آزاد شہوت رانی کی افراط اور دوسری طرف راہبانہ نفس کشی کی تفریط دونوں کی نفی اور تردید کرتے ہوئے اعتدال کی راہ کو واضح کر دیا گیا۔

اس کے بعد بین الانسانی معاملات کا ذکر ہے۔ جہاں انسان کی سیرت و کردار کی اصل جانچ ہوتی ہے اور انسان کی اصل حقیقت کھلتی ہے کہ وہ فی الواقع کتنے پانی میں ہے۔ اس ضمن میں انسان کی پوری زندگی کے تمام 'معاملات' کی صحت اور درستی کے لیے انسانی سیرت میں تین لازمی بنیادی اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یعنی **امانت**، **عہد** اور **شہادت**۔ ان میں سے بھی چونکہ مزید تجزئے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصل بنیادی اوصاف امانتداری اور پاسِ عہد ہی ہیں اور خود حقِ شہادت کی ادائیگی کا دارومدار بھی اصلاً ان ہی پر ہے لہٰذا امانت اور عہد کا ذکر تو دونوں مقامات پر ہوا۔ اور شہادت کا صرف ایک پر یعنی سورۂ معارج میں گویا کہ ان دونوں کی ایک اہم فرع کی حیثیت سے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان جتنا چاہے غور کر لے اسے اس حقیقت پر گہرا اور پختہ یقین حاصل ہوتا چلا جائے گا کہ معاملاتِ انسانی کی صحت و درستی کا پورا انحصار انسانی سیرت و کردار میں ان دو بنیادوں کے قائم اور استوار ہونے پر ہے۔ اسی آسمانی ہدایت کی بہترین تشریح حکمتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی رو سے یہ ہے کہ "لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"[1] او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم و فداہ ابی و امی۔

---

[1] حدیث نبوی (ترجمہ) جس شخص میں امانت داری موجود نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو پاس عہد سے تہی دست ہو اس کا کوئی دین نہیں۔

اس طرح قرآن حکیم کے ان دو مقامات پر مشتمل درس میں وہ تمام لازمی و ناگزیر بنیادی اوصاف بیان ہو جاتے ہیں جن پر ایک مومن و مسلم کی ذاتی شخصیت اور انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس امر کی وضاحت تخصیص حاصل ہے کہ ان میں سے ایک بنیاد بھی مفقود یا ضعیف ہو گی تو یہ تعمیر اسی نسبت و تناسب سے ناقص و کج اور کمزور و مضمحل ہو گی!

'عمل صالح' کی وضاحت میں تیسرا مقام سورۃ الفرقان کے آخری رکوع پر مشتمل ہے، جس میں بعض دوسرے اہم اور نہایت حکیمانہ اور دین کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے انتہائی بنیادی حقائق کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ایک بندۂ مومن کی پختہ اور پوری طرح تعمیر شدہ شخصیت کی جھلک "عباد الرحمٰن" کے اوصاف کی صورت میں دکھا دی گئی ہے۔ گویا کہ پچھلے درس میں جس انسانی شخصیت کی تعمیر کے ابتدائی لوازم کا ذکر تھا۔ اس مقام پر اس کی پوری طرح تکمیل شدہ و تیار (FINISHED) اور ہر اعتبار سے پختہ (MATURE) حالت کی کامل تصویر کشی کر دی گئی ہے۔

چنانچہ یہاں آغاز ان دو اوصاف کے بیان سے ہوا جو کسی انسان کی پختگی (MATURITY) کی سب سے نمایاں اور اہم ترین علامتیں ہیں۔ یعنی: ایک عجز و انکسار اور تواضع اور فروتنی (واضح رہے کہ اس صفت کا ذکر ابتدائی اسباق میں سے سبق نمبر تین میں آخری اور بلند ترین وصف کی حیثیت سے ہوا ہے) اور دوسرے۔ گفت و شنید بحث و تمحیص اور مناظرہ و مجادلہ میں وقار اور شائستگی اور حکمت دعوت و تبلیغ کو ملحوظ رکھنا۔

پھر نماز کا ذکر آیا۔ لیکن نماز پنجگانہ اور صلوٰۃ مفروضہ کا نہیں بلکہ رات کے قیام و سجود، تسبیح و تہلیل، اور دعا و استغفار کا۔ جو گویا کہ 'صلوٰۃ' کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے۔ (واضح رہے کہ سورۂ نور کی طرح یہاں بھی عبادت و ریاضت کی اس بلند منزل پر ہونے کے باوجود خوفِ عذاب اور تقویٰ و خشیتِ الٰہی کا ذکر موجود ہے)

پھر ایک اور وصف کا ذکر ہے جو تواضع و انکسار اور شائستگی و وقار ہی کی طرح انسانی شخصیت کی پختگی (MATURITY) کی ایک اہم علامت ہے یعنی اعتدال اور میانہ روی۔ جس کا سب سے بڑا مظاہرہ انسان کے ذاتی خرچ اور گھریلو اخراجات کے میدان میں ہوتا ہے۔ کہ نہ بخل سے کام لیا جائے نہ اسراف سے۔

"شہادتِ زور" کا ذکر یہاں اس انداز سے آیا کہ یہ لوگ جھوٹ کی گواہی ہی سے مجتنب نہیں رہتے

بلکہ جھوٹ پر "موجودگی" تک کو گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح "اعراض عن اللغو" کا ذکر اس طور سے ہوا کہ بالارادہ کسی لغو کا ارتکاب یا اس کے جانب میلان تو در کنار، اگر اتفاقاً ان کا گزر 'لغو' کے پاس سے ہو جائے تو بھی متوجہ نہیں ہوتے بلکہ شریفانہ انداز سے دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

پھر کفار پر ایک تعریض کے اسلوب میں 'عباد الرحمٰن' کا یہ وصف بیان کر دیا گیا کہ وہ غور و فکر اور تدبر و تفکر سے کام لیتے ہیں۔ (تقابل کے لیے دیکھئے سورۂ آلِ عمران کا آخری رکوع)

پھر ان کی اس خواہش کا ذکر ایک دعا کی شکل میں ہے کہ اسلام و ایمان، اور نیکی اور بھلائی کی جس راہ پر وہ خود گامزن ہوتے ہیں ان کے اہل و عیال اور اولاد و احفاد بھی اسی راہ پر چلیں (واضح رہے کہ سورۂ تغابن کے آخر میں عائلی زندگی میں ایک مومن کے رویے کا جو منفی رُخ پیش کیا گیا ہے، یہ اسی کا مثبت پہلو ہے!)

ایک حقیقی بندۂ رحمٰن یعنی شجرِ انسانیت کے ایک پورے پکے ہوئے (RIPE) اور ہر طرح سے تیار پھل کی انفرادی زندگی کی اس نقشہ کشی کے ساتھ ساتھ اس رکوع میں حسبِ ذیل بنیادی حقائق بھی بیان ہوئے:

۱۔ رکوع کے آغاز میں دو الفاظ میں وہ کیفیات بیان ہوئی ہیں جو آفاق و انفس میں آیاتِ الٰہی کے مشاہدے سے ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان میں پیدا ہونی چاہئیں یعنی تذکر اور شکر۔ (یہ گویا کہ خلاصہ ہے فلسفۂ قرآن اور حکمتِ قرآنی کے ان مباحث کا جو سورۂ آلِ عمران کے آخری، سورۂ نور کے پانچویں اور سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں تفصیل سے آچکے ہیں۔)

۲۔ کبیرہ گناہوں میں سے بھی تین گناہ سب سے عظیم ہیں۔ ایک شرک اور اس کے جملہ اقسام میں سے بھی شرک فی الدعا (واضح رہے کہ دعا عبادت کا اصل جوہر ہے: بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الدعاءُ مُخُّ العبادۃ اور الدعاءُ ھو العبادۃ) یہ تو گویا کہ وہ بنیادی گمراہی ہے جو انسان کو مرتبہ انسانیت ہی سے گرا دیتی ہے۔ دوسرے "قتلِ نفس بغیر الحق" جس سے انسانی تمدن کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور معاشرے کا امن اور چین رخصت ہو جاتا ہے۔ اور تیسرے 'زنا' جس سے انسان کی سماجی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور عائلی زندگی سے باہمی اعتماد اور مودّت و رحمت رخصت ہو جاتے ہیں۔

۳۔ از روئے ہدایتِ قرآنی گناہ گاروں کے لیے توبہ کا در مستقل طور کھلا ہوا ہے جس کے ذریعے ان کے پاس موت کے واضح آثار کے شروع ہو جانے تک تلافیٔ مافات کا پورا موقع موجود رہتا ہے۔ بقول سرمد

باز آ، باز آ، ہر چہ ہستی باز آ　　گر کافر و گبر و بُت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست　　صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ

۴۔ حقیقی توبہ انسان کے گناہ کے اثرات کو زائل ہی نہیں کرتی ان کو 'حسنات' میں بدل دیتی ہے۔ توبہ اسلام کے بنیادی فلسفے کے نظام کی وہ شق ہے جس سے انسان میں امید اور رجا کی کیفیات برقرار رہتی ہیں اور اصلاح کے لیے ارادہ اور ہمت قائم رہتے ہیں۔

۵۔ اس ضمن میں صحیح توبہ کی شرائط بھی بیان ہوگئیں یعنی۔ تجدید ایمان اور عمل صالح۔ (اس سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ اگرچہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا تاہم واقعہ یہی ہے کہ گناہ کا صدور انسان سے حقیقی ایمان کی حالت میں نہیں ہوتا، اور گناہ کے بعد توبہ حقیقی اعتبار سے تجدید ایمان ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ (حدیث نبوی صلعم لا یزنی زانٍ حین یزنی وَھُوَ مومنٌ وَلا یسرقُ سارقٌ حینَ یسرقُ وھُوَ مومنٌ، نہ کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا کرتا ہے اور نہ کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری کرتا ہے)

۶۔ آخر میں ایک تنبیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت و تبلیغ میں حد سے بڑھے ہوئے انہماک اور لوگوں کی ہدایت کے لیے آپ کی بے قراری سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خدا کو لوگوں کی کوئی پروا ہے۔ یہ تو صرف اتمام حجت کے لیے ہے۔ پھر اگر کوئی اپنی شامت اعمال سے اعراض و تکذیب پر مصر ہی ہو جائے تو اسے اس کی بھرپور سزا مل کر رہے گی۔

'اعمال صالحہ' کے ذیل میں چوتھا مقام سورۂ بنی اسرائیل کے رکوع ۳ و ۴ پر مشتمل ہے۔ جن میں انسان کی تمدنی و سماجی اور معاشی و معاشرتی زندگی سے متعلق بعض انتہائی بنیادی اور حد درجہ اہم احکام بیان ہوئے ہیں، ماہرین اجتماعیات نے دور جدید کے ہمہ گیر تصور ریاست (CONCEPT OF STATE) کے ارتقاء کے دوران بہت سے درمیانی مراحل کا ذکر کیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان دو رکوعوں میں بیان شدہ احکام و ہدایات کی صورت میں ایک ایسی سوسائٹی کے لیے کامل لائحہ عمل اور دستور حیات موجود ہے جو تمدن کے ابتدائی مراحل میں ہو اور جس میں ایک مختصر سا مجموعۂ ہدایات سوسائٹی کے جملہ تہذیبی و سماجی، معاشی و معاشرتی اور اخلاقی و قانونی گوشوں میں رہنمائی کے لیے کافی ہو جائے۔ واضح رہے کہ اس حقیقت کی جانب حضرت ابن عباسؓ کا وہ قول بھی رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں توراۃ کی پوری تعلیم درج فرما دی ہے، گویا کہ یہ آیات توراۃ کے احکام عشرہ (TEN COMMANDMENTS) کی قرآنی تعبیر (VERSION) ہیں۔

سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی طرح ان احکام کا اوّل و آخر بھی ایک ہی ہے۔ یعنی

اجتناب عن الشرک اور التزامِ توحید فی العبادۃ و الالوھیۃ ۔ گویا کہ جیسے ایک فردِ نوعِ بشر کی سعادت عقیدۂ توحید پر منحصر ہے، اسی طرح انسانی اجتماعیت کی فلاح کا دارومدار بھی توحید ہی پر ہے۔ اس لئے کہ توحید محض ایک عقیدہ (DOGMA) نہیں ہے بلکہ ایک پورے نظامِ فکر کی اساس ہے جس سے ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے اور ایک صحت مند معاشرت، منصفانہ معیشت اور عادلانہ حکومت کی داغ بیل پڑتی ہے۔

دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک، اور خصوصاً ان کی ضعیفی میں ان پر رحمت و شفقت اور ان کے سامنے دبے اور جھکے رہنے کا حکم ہے۔ سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کی طرح اس مقام پر بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان پر خدا کے بعد سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حقوق والدین ہی کے ہیں۔ حتیٰ کہ کسی انسان کے لیے ان کے حقوق کی ادائیگی فی الحقیقت ممکن ہی نہیں، اور وہ مجبور ہے کہ خدا ہی سے ان پر رحم کی دعائیں کر کے ان کا بدلہ کسی قدر چکانے کی کوشش کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ انسانی تمدّن کی صحت اور درستی کے لیے والدین اور اولاد کے تعلّق کا صحیح بنیادوں پر قائم ہونا ناگزیر ہے۔

والدین کے بعد اعزّہ و اقارب کے وسیع تر حلقے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے۔ جن کے ساتھ پوری سوسائٹی کے مساکین و غربا کو بھی ملحق کر دیا گیا ہے۔ اور اس ذیل میں تبذیر کی ممانعت اور اس کی شدید مذمت بھی کر دی گئی ہے۔ اس لئے کہ جب انسان محض نمائش اور نرے نام و نمود پر پیسہ اڑانے لگتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ادائے حقوقِ اقارب و مساکین کے لیے اس کے پاس پیسہ ہی باقی نہیں رہتا (واضح رہے کہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں چونکہ زیادہ تر انسان کا ذاتی کردار زیرِ بحث ہے لہٰذا بخل اور اسراف کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لایا گیا جو اصلاً انسان کے ذاتی اخراجات کی دو انتہائیں ہیں، اور یہاں چونکہ معاشرتی و سماجی مسائل زیرِ بحث ہیں لہٰذا تبذیر کا ذکر کیا گیا جو ادائے حقوق کی ضد ہے۔ گویا ایک ہی آیت میں ان دونوں کا ذکر کر کے یہ رہنمائی دے دی گئی کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنی دولت کو ابنائے نوع پر رعب گانٹھنے کی بجائے ان کی احتیاجات کو رفع کرنے کا ذریعہ بنائے۔)

پھر حکم دیا گیا کہ نہ مٹھی بالکل بند کر لو اور نہ ہاتھ پورے کا پورا کھول دو۔ بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ اور اس میں اگرچہ تبعاً ذاتی اخراجات کا معاملہ بھی شامل ہے تاہم اس مقام پر اصلاً ہدایت صدقات و خیرات میں اعتدال کی ہے۔ چنانچہ واضح کر دیا گیا کہ کسی کی کشادگی و تونگری کے نہ تو تم ذمہ دار ہی ہو اور نہ یہ فی الواقع تمہارے بس ہی میں ہے۔ اس کا فیصلہ تو اللہ ہی اپنے علم کامل اور اپنی حکمت بالغہ کے تحت کرتا ہے۔ تمہارا کام صرف اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ اسے اعتدال کے ساتھ ادا کرتے رہو!

ان معاشی ہدایات کے ذیل میں بھوک اور افلاس کے خوف سے قتل اولاد (جس میں اصلاً تو نہیں البتہ تبعاً معاشی تحرکات کے تحت منع حمل بھی شامل ہے) سے روکا گیا اور واضح کیا گیا کہ رزق کے ٹھیکیدار تم نہیں ہو بلکہ اس کی پوری ذمہ داری خدا پر ہے۔ وہی تمہیں بھی کھلاتا ہے اور تمہاری آئندہ نسل کو بھی کھلائے گا!

اس کے بعد زنا اور قتل نفس بغیر حق سے روکا گیا۔ (تقابل کے لیے دیکھئے سورہ الفرقان کا آخری رکوع)

اور آخر میں چند انتہائی اہم اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں جو صالح معاشرت کی ضامن ہیں۔ یعنی ۱۔ یتیم کے مال کی حفاظت۔ (۲) عہد اور قول و قرار کی پابندی۔ (۳) ناپ تول میں کمی بیشی سے اجتناب۔ (۴) صحیح علم ہی کی پیروی کرنا (اور اوہام و ظنون سے بچنا) اور (۵) تکبر و غرور سے بچے رہنا۔ (تقابل کے لیے دیکھئے سورۂ لقمان رکوع ۲۔ دونوں مقامات پر سب سے آخری حکم غرور و تمکنت سے اجتناب ہی کا ہے۔ اور دونوں جگہوں پر اسی کو 'حکمت' کا آخری فرد قرار دیا گیا ہے)

اس سلسلۂ ہدایات کے اختتام پر توحید میں سے خصوصاً وحدتِ الٰہ اور توحید فی الالوہیۃ کا ذکر کرکے اشارہ کر دیا گیا کہ اجتماعیاتِ انسانی کے مزید ارتقاء سے جب 'ریاست' (STATE) وجود میں آئے تو اس کی اساس حاکمیتِ خداوندی (DIVINE SOVEREIGNTY) پر قائم ہوگی اور اس کی صحت و درستی کا تمام تر دارومدار حاکمیتِ غیر کی کامل نفی ہی پر ہوگا۔ (گویا کہ خالص انفرادیت سے اجتماعیت کی بلند ترین منزل تک انسان کے پورے سفر کے دوران اس کا ہادی اور رہنما عقیدۂ توحید ہی ہے۔ جس کے مختلف پہلو جیسے توحید فی العبادۃ اور توحید فی الالوہیۃ اس کی زندگی کے مختلف گوشوں کی صحت اور درستی کے ضامن بنتے ہیں)

'عملِ صالح' کی تشریح مزید کے ضمن میں پانچواں مقام سورۂ تحریم (کامل ہے۔ جو اصلاً انسان کی عائلی اور خاندانی زندگی میں ایک بندۂ مومن کے صحیح رویے کی وضاحت کرتی ہے۔

اس منتخب نصاب میں اس سے قبل دو مقامات پر ایک خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے ایک بندۂ رب کے صحیح رویے کے دو پہلوؤں کی جانب اشارہ ہو چکا ہے، یعنی ایک سورۂ تغابن کے دوسرے رکوع میں جہاں منفی اور سلبی پہلو واضح کیا گیا کہ علائق دنیوی کی فطری محبت کی شکل میں ایک انسان کے دین و ایمان کے لیے جو بالقوہ خطرہ (POTENTIAL DANGER) موجود ہے ایک مومن کو ہر دم اس سے باخبر اور چوکس اور چوکنا رہنا چاہیئے۔ اور دوسرے سورۂ الفرقان کے آخری رکوع میں، جہاں ایجابی و مثبت طور پر واضح کیا گیا کہ ایک بندۂ رحمٰن کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اہل و عیال بھی تقویٰ اور احسان کی روش اختیار کریں تاکہ اسے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہو۔ سورۂ تحریم میں یہی دونوں پہلو مزید وضاحت سے بیان ہوئے ہیں،

چنانچہ اس میں اولاً ان مفاسد کا ذکر ہے جو ایک شوہر اور اس کی بیوی کے مابین اعتماد اور الفت و محبّت کے ایک مناسب حد سے تجاوز کر جانے سے پیدا ہوتے ہیں، یعنی شوہر کی جانب سے بیوی کی دلجوئی میں غلو (جس کی مثال اس سے دی گئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے "ابتغاءِ مرضاتِ ازواج" میں ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا) اور بیویوں میں شوخی کا مناسب حد سے بڑھ جانا جس سے حدود اللہ کے ٹوٹ جانے اور گھر کے نظام کے درہم برہم ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے (اس کی مثال میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک راز کے بارے میں بعض ازواج مطہّرات کی روش کو پیش کیا) ۔ واضح رہے کہ میاں بیوی کے مابین اعتماد اور باہمی الفت و محبّت اور مودّت و رحمت فی نفسہٖ تو مطلوب ہیں لیکن ایک مناسب حد کے اندر اندر ۔ نہ کہ لامحدود! ـــــ (یہ بھی واضح رہے کہ سورۂ تحریم سے متّصلاً قبل سورۂ طلاق ہے جو اس کے بالکل برعکس اس صورت سے بحث کرتی ہے جب میاں بیوی کے مابین یہ تمام چیزیں کم ہوتے ہوتے مفقود ہونے کی حد تک پہنچ جائیں اور طلاق کی نوبت آجائے!)

اس منفی پہلو کی وضاحت کے بعد مثبت طور پر واضح کیا گیا ہے کہ ایک خاندان اور کنبے کے سربراہ کی حیثیت سے مرد پر اپنے اہل و عیال کے صرف نان نفقے ہی کی ذمّہ داری نہیں ہے بلکہ یہ ذمّہ داری بھی ہے کہ وہ انہیں اللہ کے عذاب اور آخرت کی سزا سے بچانے کی فکر کرے ۔ چنانچہ اسے ہر دم یہ فکر دامنگیر رہنی چاہیئے کہ کہیں اس کے محبوب اور لاڈلے اور چہیتے[1] آخرت میں جہنّم کے ان فرشتوں کے حوالے نہ کر دیئے جائیں جن کے دل شفقت و رحمت اور نرمی و رقّت سے بالکل خالی ہوں گے ۔ اور جہاں نافرمانوں کی ساری جزع و فزع اور فریاد و واویلے کا بس ایک ہی جواب ملے گا کہ یہ سب تمہاری اپنی کمائی ہے اور اس "خود کردہ" کا اب کوئی علاج ' نہیں (اس مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خطبہ ذہن میں رہنا چاہیئے جو آپ نے اپنے قریب ترین عزیزوں کو جمع کر کے دیا تھا کہ: " اے فاطمہ، محمدؐ کی لختِ جگر، اور اے صفیہ، محمدؐ کی پھوپھی، اپنے آپ کو آگ سے نکالنے کی فکر کرو ۔ اس لیے کہ خدا کے یہاں تمہارے بارے میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہو گا!" صلی اللہ علیہ وسلم و فداہٗ ابی و امّی) ۔

اس کے بعد دو باتیں ایسی ہیں جن کا بظاہر خاندانی و عائلی زندگی سے تو کوئی تعلق نہیں لیکن اس سورہ کے بنیادی مضمون اور اس کے عمومی مزاج سے گہرا ربط موجود ہے ۔ یعنی ایک[2] عام مسلمانوں کو "توبہ نصوح" کی دعوت اور اس کے نتائج یعنی تکفیرِ سیّئات اور ادخالِ جنّت کے وعدوں اور آخرت کی رسوائی سے بچاؤ اور میدانِ حشر میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نور کے ظہور کے ذکر سے اس کی جانب پر زور تشویق و ترغیب

---

[1] زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ ـــ الآیہ

اور دوسرے کفار اور منافقین کے ساتھ پوری سختی اور درشتی کے برتاؤ کا حکم اور ان کے ساتھ مجاہدے کے معاملے میں کسی نرمی کو راہ نہ دینے کی تاکید - ان میں سے مؤخر الذکر کے بارے میں تو بادنیٰ تامل واضح ہوجاتا ہے کہ یہ حکم اس سورت کے عمومی مزاج یعنی محبت ومودّت اور رحمت و رافت کے حدِّ اعتدال سے تجاوز کے خلاف تنبیہ کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہے - پہلا معاملہ البتہ ذرا غور طلب ہے - لیکن قدرے گہرائی میں اترنے سے جلد ہی یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ توبہ میں تاخیر اور اس کے مسلسل التواء کا اصل سبب انسان کی خود اپنے نفس پر بے جا نرمی، اور اس کے ساتھ حد سے زیادہ لاڈ پیار ہی ہے جس کے سبب سے انسان اس کے جا و بے جا تمام تقاضے اور مطالبے پورے کرتا چلا جاتا ہے - اور اس کی باگیں کھینچنے اور طنابیں کسنے کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ (سورہ تحریم کے اس مقام کا مثنیٰ ، سورۂ حدید کے رکوع ۲ میں ہے جہاں حشر کے میدان میں نورِ ایمان و اعمال کے ظہور کا ذکر بھی ہے اور منافقین کی رسوائی کا تذکرہ بھی ، اور ان کے بعد اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا .... الآیہ میں اسی تاخیر و التواء کی جانب اشارہ ہے!)

آخر میں خواتین کے لیے ایک نہایت اہم ہدایت اور بنیادی رہنمائی ہے - اور ان کے اس عام مغالطے کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ وہ اپنے نان نفقے کی طرح شاید دین و ایمان کے معاملے میں بھی بالکلیہ مردوں ہی کے تابع (DEPENDANT) ہیں - اور یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح ایک کامل شخصیت (PERSONALITY) کی حامل ہے اور اسے اپنے دین و ایمان اور فلاح و نجات کی فکر خود کرنی چاہیئے۔

اس ضمن میں چار خواتین کو مثال میں پیش فرمایا گیا —— اور اس سے ان تین طرح کے حالات کی طرف اشارہ کر دیا گیا جن سے ایک عورت کو امکانی طور پر سابقہ پیش آسکتا ہے یعنی ایک بہترین شوہر اور عمدہ ترین ماحول کے باوجود بدترین انجام جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں۔ دوسرے بدترین شوہر اور بدترین ماحول کے علی الرغم بہترین انجام جیسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ، اور تیسرے نورٌ علیٰ نور کے مصداق عمدہ ترین ماحول اور اس سے بہترین استفادہ جس کی مثال حضرت مریم صدیقہ ہیں - ان مثالوں سے قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ عورت لازماً اپنے شوہر اور ماحول کے تابع نہیں بلکہ اس کا معاملہ بھی لَہَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ کے قاعدہ کلیہ کے عین مطابق ہے۔

انسان کی عملی زندگی کے ذیل میں اس منتخب نصاب میں چھٹا اور آخری مقام سورۂ حجرات (مکّی) ہے۔ یہ عظیم سورت اجتماعیاتِ انسانی کے ذیل میں عام سماجی و معاشرتی معاملات سے بلند تر سطح پر نہ صرف قومی و ملّی امور سے بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی تاسیس اور تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی

اور اس میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و ہم آہنگی کیسے برقرار رکھی جا سکتی ہے بلکہ سیاست و ریاست کے متعلق امور سے بھی بحث کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے، اس کا دستورِ اساسی کیا ہے، اس کی شہریت کیسے حاصل ہوتی ہے اور اس کا دنیا کے دوسرے معاشروں یا اس کی دوسری ریاستوں سے تعلق کن بنیادوں پر استوار ہو گا۔

اس سورت کو بغرضِ تفہیم تین حصوں میں منقسم سمجھنا چاہیئے۔

پہلا حصہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے "اصل الاصول" یعنی اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی اور ملّتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی[1] کے اصل قوام یعنی "مرکزِ ملّت" سے بحث کرتا ہے۔

چنانچہ پہلی ہی آیت نے غیر مبہم طور پر واضح کر دیا کہ مسلمان معاشرہ اور اسلامی ریاست "مادر پدر آزاد" نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے "پابند" ہیں۔ اور مسلمانوں کی آزادی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے لیے دوسری ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو جائیں۔ گویا کہ ایک فرد کی طرح اجتماعیت بھی صرف وہی "مسلمان" قرار دی جا سکتی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشبیہ کے مطابق اسی طرح اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے ساتھ بندھی ہوئی ہو جیسے ایک گھوڑا اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ آیت مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کے اصل الاصول یعنی ایک اسلامی ریاست کے دستور اساسی میں حاکمیت سے متعلق اولین دفعہ کو متعین کر دیتی ہے کہ یہاں حاکمیت نہ کسی فرد کی ہے نہ طبقے کی، نہ قوم کی ہے نہ جمہور کی بلکہ صرف خدا کی ہے (اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ) اور اسلامی ریاست کا کام (FUNCTION) صرف یہ ہے کہ رسولؐ کی تشریح و توضیح کے مطابق خدا کی مرضی و منشا کو پورا کرے[2]

آیت کے آخر میں اس اطاعت کی اصل روح کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی تقویٰ اللہ۔

اس کے بعد مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعی کی "اصلِ ثانی" کو واضح کیا گیا جس کے گرد مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کی اصل شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب، آپؐ کی تعظیم و توقیر،

---

[1] ؎ کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے — یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

[2] واضح رہے کہ پاکستان میں جو دو ایک بار دستوری مسودّے تیار ہوئے ان سب میں یہ دفعہ ان الفاظ میں موجود رہی ہے کہ "یہاں کوئی قانون سازی کتاب و سنّت کے خلاف نہیں کی جائیگی" لیکن ہر بار یہ چور دروازہ رکھا گیا کہ یہ دفعہ دستور کے واجب التنفیذ دفعات (OPERATIVE CLAUSES) میں شامل نہیں کی گئی بلکہ صرف رہنما اصولوں (DIRECTIVE PRINCIPLES) میں درج کی گئی۔

آپؐ سے محبت اور عشق اور آپؐ کے مقام و مرتبہ سے آگاہی (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ) اور ہر اس قول و فعل یا رویّے اور برتاؤ سے کامل اجتناب جس سے ادنیٰ ترین درجے میں بھی گستاخی یا تحقیر و توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ (ع " ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر ! ")

مسلمانوں کی حیثیت اجتماعی کی ان دو بنیادوں میں سے پہلی چونکہ عقیدۂ توحید فی الالوہیت کا لازمی نتیجہ ہے اور اس اعتبار سے گویا قرآن حکیم کے ہر صفحے پر بسطرِ جلی اس کا ذکر موجود ہے لہٰذا اس مقام پر اس کا ذکر صرف ایک آیت میں کر دیا گیا۔ اس کے بالمقابل اصلِ ثانی پر انتہائی زور دیا گیا۔ اور بعض متعیّن واقعات پہ گرفت اور سرزنش کے ضمن میں واضح کر دیا گیا کہ ؎

" بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست !
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است !! "

اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی میں ملّتِ اسلامیہ کے پاس وہ ' مرکزی شخصیّت ' موجود ہے جس سے تمدّن انسانی کی وہ فطری ضرورت بتمام و کمال اور بغیر تصنّع و تکلّف پوری ہو جاتی ہے جس کے لیے دوسری قوموں کو باقاعدہ تکلّف و اہتمام کے ساتھ شخصیّتوں کے بت تراشنے اور ' ہیرو ' (HEROES) گھڑنے کا کھکھیڑ مول لینا پڑتا ہے۔ مزید برآں دنیا کی دوسری اقوام تو " ع " می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر ! " کے مصداق مجبور ہیں کہ ہر دور میں ایک نئی شخصیّت کا بت تراشیں، لیکن ملّتِ اسلامیہ کے پاس ایک دائم و قائم ' مرکز ' موجود ہے جو اس کے ثقافتی تسلسل — (CULTURAL CONT-INUITY) کا ضامن ہے، (اس اعتبار سے دیکھا جائے تو " اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ " میں خطاب صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی سے نہیں بلکہ تا قیامِ قیامت پوری امتِ مسلمہ سے ہے !) اس دوام اور تسلسل کے ساتھ ساتھ، امّتِ مسلمہ کی وسعت اور پھیلاؤ پر بھی نگاہ رہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ' مرکزیت ' ہی کا ثمرہ ہے کہ مشرقِ اقصیٰ سے لے کر مغربِ بعید تک پھیلی ہوئی قوم میں نسل و لسان کے شدید اختلاف اور تاریخی و جغرافیائی عوامل کے انتہائی بُعد کے علی الرّغم ایک گہری ثقافتی یک رنگی (CULTURAL HOMOGENIETY) موجود ہے۔ اور اسی کی فرع کے طور پر اس حقیقت پر بھی ہمیشہ متنبہ رہنا چاہیئے کہ مختلف مسلمان ممالک میں علیحدہ علیحدہ قیادتوں اور ' علاقائی شخصیّتوں ' کو بس ایک حد تک ہی ابھارنا چاہیئے، اس سے تجاوز کی صورت میں اس سے ' وحدتِ ملّت ' کی جڑیں کمزور ہونے کا اندیشہ ہے۔ گویا بقولِ علامہ اقبال ؎

یہ زائرینِ حریمِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے — ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں !

روئے زمین کی تمام مسلمان اقوام کو معیارِ قیادت ایک ہی رکھنا چاہیئے اور وہ ہے ذاتِ محمدؐ فداہُ ابی و امّی صلی اللہ علیہ وسلّم،

مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعی کی متذکرہ بالا دو بنیادوں میں سے ایک زیادہ تر عقلی و منطقی ہے اور دوسری نسبتاً جذباتی، پہلی پر دستور و قانون کا دارومدار ہے اور دوسری پر تہذیب و ثقافت کی تعمیر ہوتی ہے اور ان دونوں کا باہمی رشتہ ایک دائرے اور اس کے مرکز کا ہے۔ مسلمان اجتماعیت اس دائرے میں محصور ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام نے کھینچ دیا ہے اور اس کے مرکز کی حیثیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دلآویز اور دلنواز شخصیت کو حاصل ہے جن کے اتباع کے جذبے سے اس ہیئت اجتماعی کو ثقافتی یکرنگی نصیب ہوتی ہے اور جن کی محبت کے رشتے سے اس کے افراد ایک مرکز سے بھی وابستہ رہتے ہیں اور باہم دگر بھی جڑے رہتے ہیں،

(اب اس معذرت کے ساتھ آگے چلتا ہوں کہ 'مقامِ رسالت' کے ذکر میں طولِ کلام فی الواقع ع "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم!" کے مصداق ہے!)

دُوسرا حصّہ ان احکامات پر مشتمل ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے ملّتِ اسلامیہ کے افراد اور گروہوں اور جماعتوں کے مابین رشتۂ محبت و الفت کے کمزور ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور اختلاف و انتشار اور فتنہ و فساد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے۔ ان احکام کو بھی مزید دو عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ اہم تر احکام جو وسیع تر پیمانے پر گروہوں کے مابین تصادم سے بحث کرتے ہیں اور دوسرے وہ بظاہر چھوٹے لیکن حقیقتہً نہایت بنیادی احکام جو خالص انفرادی سطح پر منفرت اور عداوت کا سدّباب کرتے ہیں۔

مقدّم الذکر احکام دو ہیں: ۱۔ افواہوں کی روک تھام اور کسی حتمی فیصلے اور عملی اقدام سے قبل اچھی طرح تحقیق و تفتیش اور چھان بین کا اہتمام[1] اور ۲۔ نزاع کے واقع ہو جانے کی صورت میں صحیح طرزِ عمل — یعنی ا: یہ کہ فریقین کے مابین صلح کرانے کو اجتماعی ذمّہ داری اور معاشرتی فرض سمجھا جائے گویا کہ لاتعلقی (INDIFFERENCE) کی روش کسی طور صحیح نہیں) ب: اس کے بعد بھی اگر ایک فریق زیادتی ہی پر مُصر رہے تو اب اس کا مقابلہ صرف فریقِ ثانی ہی کو نہیں پوری ہیئت اجتماعیہ کو کرنا چاہیئے اور ج: جب وہ گردن جھکا دے تو از سرِ نو عدل و قسط پہ مبنی صلح کرا دی جائے۔ (اس مقام پہ عدل اور قسط کا مکرّر و مؤکد

---

[1] اس سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہ الفاظ مبارک مستحضر رہنے چاہئیں کہ "کَفٰی بِالمَرءِ کَذِبًا اَن یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ" ایک شخص کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے (یعنی آگے بیان کرنے سے قبل اسکی صحت کی تحقیق و تصدیق نہ کرے!)

ذکر خاص طور پر اس لیے ہے کہ جب پوری ہیئت اجتماعیہ اس فریق سے ٹکرائے گی تو فطری طور پر اس کا امکان موجود ہے کہ دوبارہ صلح میں اس فریق پر غصّے اور جھنجھلاہٹ کی بنا پر زیادتی ہو جائے!)

موخر الذکر احکام چھ نواہی پر مشتمل ہیں یعنی ان میں ان چھ معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا گیا ہے جن کے باعث بالعموم دو افراد یا گروہوں کے مابین رشتۂ محبّت و الفت کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ نفرت و عداوت کے بیج بوئے جاتے ہیں اور ایسی کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو پھر کسی طرح نہیں نکلتی۔ اس لئے کہ عام ضرب المثل کے مطابق تلواروں کے گھاؤ بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے! وہ چھ چیزیں یہ ہیں۔ ۱۔ تمسخر (اس کے سدباب کے لیے اس نہایت گہری حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اسی کی وجہ سے تمسخر کا مرتکب ہو بیٹھتا ہے حالانکہ اصل چیز انسان کا باطن ہے اور خدا کی نگاہ میں انسانوں کی قدر و قیمت ان کے باطن کی بنیاد پر ہے) ۲۔ عیب جوئی اور تہمت (اس کے ذیل میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ جب سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو کسی دوسرے مسلمان کو عیب لگانا گویا خود اپنے آپ کو عیب لگانا ہے) ۳۔ "تنابز بالالقاب" یعنی لوگوں یا گروہوں کے توہین آمیز نام رکھ لینا (اس کے ضمن میں اشارہ فرمایا کہ اسلام لانے کے بعد برائی کا نام بھی نہایت برا ہے) ۴۔ سوءِ ظن (اس لئے کہ بہت سے ظن گناہ کے درجے میں ہیں) ۵۔ تجسّس اور ۶۔ آخری اور اہم ترین، غیبت جس کی شناعت کے اظہار کے لیے حد درجہ بلیغ تشبیہ اختیار کی یعنی یہ کہ کسی مسلمان کی غیبت ایسی ہے جیسے کسی مردہ بھائی کا گوشت کھانا۔ (اس لیے کہ جس طرح ایک مردہ اپنے جسم کا دفاع نہیں کر سکتا اسی طرح ایک غیر موجود شخص بھی اپنی عزّت کے تحفّظ پر قادر نہیں ہوتا۔)

الغرض ان آٹھ اوامر و نواہی سے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کا استحکام مطلوب ہے۔ اس لیے کہ جس طرح بڑی سے بڑی فصیل بھی بہرحال اینٹوں ہی سے بنی ہوتی ہے اور اس کے استحکام کا دارومدار جہاں اینٹوں کی پختگی اور مضبوطی پر ہوتا ہے وہاں اینٹوں کو جوڑنے والے گارے یا چونے یا کسی دیگر مسالے (CEMENT SUBSTANCE) کی پائداری پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ملّتِ اسلامیہ کے استحکام کے لیے بھی جس قدر مسلمانوں میں سے ہر ہر فرد کا سیرت و کردار کے اعتبار سے پختہ ہونا ضروری ہے اسی قدر ان کے مابین رشتۂ محبّت و الفت کی استواری بھی لازمی ہے۔ یہ البتہ واضح رہے کہ ملّتِ اسلامیہ کا استحکام عام قومی تصوّرات کے تحت دنیوی غلبہ و اقتدار کے لیے نہیں بلکہ اس لیے مطلوب ہے کہ وہ ع "ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے!" کے مصداق خدا کی زمین پر خدا کی مرضی پوری کرنے کا ذریعہ اور آلہ (INSTRUMENT) ہے!

تیسرا حصّہ دو انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے :

۱ - پہلی بحث انسان کی عزّت و شرف کے معیار سے متعلق ہے جسکے ذیل میں واضح کر دیا گیا ہے کہ انسان کی عزت و ذلّت یا شرافت و رذالت کا معیار نہ کنبہ ہے نہ قبیلہ ، نہ خاندان ہے نہ قوم ، نہ رنگ ہے نہ نسل، نہ ملک ہے نہ وطن، نہ دولت ہے نہ ثروت ، نہ شکل ہے نہ صورت ، نہ حیثیت ہے نہ وجاہت ، نہ پیشہ ہے نہ حرفہ اور نہ مقام ہے نہ مرتبہ بلکہ صرف ' تقویٰ ' ہے - اس لیے کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی خدا کی مخلوق بھی ہے اور ایک ہی انسانی جوڑے (آدم وحوّا) کی اولاد بھی -

یہ بحث فی نفسہٖ بھی نہایت اہم ہے اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بد امنی اور انتشار اور انسانوں کے مابین تصادم اور ٹکراؤ کا بہت بڑا سبب نسل اور نسب کا غرور ہی ہے اور یہ قومی و گروہی مفاخرت ہی ہے جو بین الانسانی منافرت کا اصل سبب بنتی ہے ، (اس سلسلے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بدترین دشمن لے بھی معترف ہیں کہ آپؐ نے واقعتہً انسانی عزّت و شرف کی متذکرہ بالا تمام غلط بنیادوں کو منہدم کر دیا اور انسانی مساوات اور اخوّت کی بنیاد پہ ایک معاشرہ عملاً قائم فرما دیا !) لیکن خاص طور پہ اس مقام پہ اس بحث کے دو رخ لائق توجہ ہیں ـــــ ایک لے : یہ کہ اوپر جن سماجی برائیوں سے منع فرمایا گیا تھا مثلاً تمسخر و استہزاء اور عیب جوئی و بدگوئی ان کی جڑ میں جو گمراہی کارفرما ہے وہ اصل میں یہی نسل و نسب کی بنیاد پہ تفاخر و تباہی کا جذبہ ہے اور ـــــ دوسرے لے : یہ کہ اسلام ان میں سے کسی چیز کی بنیاد پہ انسانوں کے مابین تفریق و تقسیم کا قائل نہیں بلکہ وہ ایک خالص نظریاتی معاشرہ اور ریاست قائم کرنا چاہتا ہے - اس کے یہاں انسانوں کے مابین صرف ایک تقسیم معتبر ہے اور وہ ہے ایمان کی تقسیم اور اہلِ ایمان کے حلقے میں بھی اس کے نزدیک صرف ایک معیارِ عزّت و شرف معتبر ہے اور وہ ہے تقویٰ کا معیار !

اس سلسلے میں ضمنی طور پہ ایک دوسری نہایت اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا یعنی یہ کہ اسلامی معاشرہ اور ریاست کا باقی انسانی معاشروں اور ریاستوں سے ربط و تعلق ان دو بنیادوں پر قائم

لے چنانچہ ایچ جی ویلز (H. G. WELLS) نے اپنی " مختصر تاریخ عالم " میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے خطبۂ حجّۃ الوداع کے ذیل میں واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ انسانی مساوات اور اخوّت کے نہایت اچھے وعظ تو اگرچہ مسیح ناصری (علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے یہاں بھی موجود ہیں لیکن ان بنیادوں پہ تاریخ میں پہلی بار ایک معاشرے کا واقعی قیام صرف محمدؐ عربی (صلی اللہ علیہ وسلم وفداہ ابی وامّی) کا کارنامہ ہے -

ہو سکتا ہے جو پوری نوعِ انسانی کے مابین مشترک ہیں یعنی ۱- وحدتِ اِللٰہ اور ۲- وحدتِ آدم - اسی اہم حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے اس مقام پر تخاطب اس سورت کے عام اسلوب سے ہٹ کر بجائے "یا ایھا الذین اٰمنوا" کے "یا ایھا الناس" سے ہوا - (واضح رہے کہ قرآن حکیم میں سورۂ حجرات کی اس آیۂ مبارکہ کا مثنّٰی سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے جس میں یہ تمام حقائق ایک عکسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں!)

۲ - دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق و تمیز کی وضاحت سے متعلق ہے!

واضح رہے کہ قرآن حکیم میں ایمان و اسلام اور مومن و مسلم کی اصطلاحات اکثر و بیشتر ہم معنی اور مترادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال ہوئی ہیں - اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں - اور ایمان انسان کی جس داخلی کیفیت کا نام ہے اسلام اسی کا خارجی ظہور ہے، لہٰذا جو انسان قلب میں ایمان و یقین کی دولت رکھتا ہو اور عمل میں اسلام اور اطاعت کی روش اختیار کرلے اسے "اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی" یا ایک انگریزی مقولے[1] کے مصداق چاہے مومن کہ لیا جائے چاہے مسلم بات ایک ہی ہے - بخلاف اس مقام کے کہ یہاں ایمان و اسلام کو ایک دوسرے کے مقابل لایا گیا ہے اور ایمان کی نفیٔ کامل کے علی الرغم اسلام کا اثبات کیا گیا ہے -

اس مقام پر اس بحث کے لانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جائے کہ اسلامی معاشرے میں شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد ایمان پر نہیں ہے بلکہ اسلام پر ہے، اس لیے کہ ایمان ایک باطنی حقیقت ہے جو کسی قانونی بحث و تفتیش اور ناپ تول کا موضوع نہیں بن سکتی - لہٰذا مجبوری ہے کہ دنیا میں بین الانسانی معاملات کو صرف خارجی رویّے کی بنیاد پر استوار کیا جائے جس میں ایمان کا زیادہ سے زیادہ صرف "اِقْرَارٌ بِاللِّسَان" والا پہلو شامل ہو سکتا ہے -

اس کے علاوہ اس بحث سے دو مزید عظیم حقائق کی جانب رہنمائی ہو گئی -

ایک : یہ کہ انسان کی ایک ایسی حالت بھی ممکن ہے کہ اس کے دل میں تو نہ مثبت و ایجابی طور پر ایمان ہی متحقق ہو نہ منفی و سلبی طور پر نفاق - بلکہ ایک خلا کی سی کیفیت ہو لیکن اس کے عمل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت موجود ہو - اس حال میں اگرچہ اس قاعدہ کلیہ کی رو سے کہ بغیر ایمان انسان کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہو سکتا - یہ چیز بھی مبنی بر عدل ہی ہوتی کہ ایسی اطاعت قبول نہ کی جاتی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے (جس کی جانب اشارہ دو اسمائے حسنیٰ 'غفور' اور 'رحیم' سے کر دیا گیا)

---

[1] (CALL THE ROSE BY ANY NAME: IT WILL SMELL AS SWEET!)

کہ اس اطاعت کو بھی سند قبول عطا فرما دی گئی ۔ (واضح رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں جب "وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا" کی صورت ہوئی تو اس وقت بھی بہت سے لوگوں کے ایمان و اسلام کی نوعیت یہی تھی اور بعد میں تو ہر دور میں امتِ مسلمہ کے سوادِ اعظم کا حال یہ رہا ہی ہے!)

دوسرے یہ کہ حقیقی ایمان کی بھی ایک جامع و مانع تعریف بیان ہو گئی، اور واضح کر دیا گیا کہ فی الحقیقت ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم[1] پر ایسے پختہ یقین کا جس میں شکوک و شبہات کے کانٹے پیچھے نہ رہ گئے ہوں اور جس کا اوّلین اور نمایاں ترین عملی مظہر جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی یہ کہ انسان ہدایتِ آسمانی کی نشر و اشاعت، اور حق کی شہادت، اور اللہ کے دین کی تبلیغ و تعلیم اور اس کے غلبہ و اظہار کے لیے جان و مال سے کوشش کرے اور اس جد و جہد میں تن من دھن سب کو قربان کر دے۔ آیت کے آخر میں مزید کھول دیا گیا کہ صرف ایسے ہی لوگ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔

سورۂ حجرات کی اس آیہ کریمہ (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ) پر گویا کہ ہمارے منتخب نصاب کا جزو ثانی ختم اور جزو ثالث شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ سورۂ والعصر میں بیان شدہ چار لوازمِ نجات کو اس آیت میں دو اصطلاحات میں جمع کر دیا گیا ہے ایک ایمانِ حقیقی جو جامع ہے ایمان قولی اور عمل صالح دونوں کا اور دوسرے جہاد فی سبیل اللہ جو جامع ہے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا۔ چنانچہ یہیں سے تواصی بالحق کی تفصیلی بحث کا آغاز ہو جاتا ہے۔ (باقی آئندہ)

[1] واضح رہے کہ دوسرے ایمانیات اِن کے ذیل میں آپ سے آپ مندرج ہو گئے۔

کراچی میں ماہنامہ میثاق لاہور اور
دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور کی دیگر مطبوعات
کے تقسیم کنندگان:
میسرز شفیق پریس
ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ (سابق کچہری روڈ) کراچی: (فون ۲۳۵۲۳۵)

دعوت و تبلیغ دین کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین

اور اس کا طریق کار

فہرست ابواب: مروجہ طریق تبلیغ کی غلطیاں ★ تبلیغ کس لیے؟ ★ انبیائے کرام پہلے کن کو مخاطب کرتے ہیں؟ ★ انبیاء کا طریق خطاب ★ دعوتِ دین میں تدریج ★ دعوتِ حق کے طریقے ★ دعوت کی زبان اور داعیانہ طرزِ کلام ★ انبیاء کرام کا طرزِ استدلال ★ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ ★ انبیاء کرام کا طریق تربیت ★ داعی حق کی ذمہ داری ★ دعوتِ حق کے مخالفین ★ دعوت حق کے موافقین ★ دعوتِ حق کے مراحل

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۲۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ

مجلد مع ڈسٹ کور، قیمت ۵/- روپے

انبیاء کرام کے طریقِ انقلاب پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی ایک مختصر لیکن نہایت جامع تحریر

اقامتِ دین کے لیے انبیاء کرام کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲/۸، صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ، غیر مجلد، قیمت ۵۰/-

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ۔ لاہور

Regd. No. L 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 18 | DECEMBER 1971 | No 12

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورۂ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

".....محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ....."

مولانا امین احسن اصلاحی

".....اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری..... اسلامی موضاعات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتابچہ ایک دستورالعمل کا درجہ رکھتا ہے....."

ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ : ڈیڑھ روپیہ، قسم ادنیٰ : ایک روپیہ، محصولڈاک اس کے علاوہ

★

:- شائع کردہ :-

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون: ۶۹۵۲۲)

پبلشر: محی الدین۔ طابع: شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ۔ لاہور

مقام اشاعت: کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱